ہردے کا اقرار

حنا ملک

وہ ایسے عشق میں کیسا کمال رکھتا ہے
کہ بے رخی میں بھی میرا خیال رکھتا ہے
عجب نہیں وہ جہاں بھر کو بے وفا سمجھے
نظر میں میری وفا کی مثال رکھتا ہے

شدید طوفانی رات تھی' کڑکتی بجلیاں' گرجتے برستے ہوئے بادل' ہوا اتنی شدید تھی کہ بڑے بڑے درخت بھی اس کی طاقت کے آگے بے بس نظر آتے تھے۔ بارش کافی دنوں بعد ہوئی تھی اور ٹوٹ کر ہوئی تھی' اتنی کہ پیاسی دھرتی سیراب ہوجائے پر پانی میں کمی نہ ہو' گھپ اندھیرا تھا' ہر کوئی اس طوفانی رات کی طغیانیوں سے بے خبر اپنے اپنے گھر میں پرسکون نیند سو رہا تھا۔ ایسے میں وہ بڑی تیزی سے سڑک کے درمیان دوڑی چلی آرہی تھی۔ وہ بار بار سر موڑ کر پیچھے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بھاگنے کے دوران دوپٹہ جانے کہاں گر گیا تھا۔ کپڑے بھیگ کر بدن سے چپک گئے تھے' اچانک وہ ایک پتھر سے ٹکرا کر منہ کے بل گری تھی۔

"آہ......" دبی دبی سسکی لبوں کی قید سے آزاد ہوئی۔ شاید کوئی نوکیلی چیز پیشانی پر لگی تھی۔ وہ پوری ہمت مجتمع کر کے دوبارہ اٹھ کھڑی ہوئی مگر یوں لگ رہا تھا' جیسے ٹانگوں نے مزید مشقت سے انکار کردیا ہو' وہ بری طرح تھک چکی تھی۔

"اللہ! میری مدد فرما۔" اس نے نگاہ اوپر کی طرف کی اور دونوں ہاتھ پھیلائے' اسی لمحے گاڑی کے ٹائر چرچرائے تھے۔ ڈرائیور نے عین اس کے قریب لا کر بریک لگائی تھی۔ اس کے بعد اسے کوئی ہوش نہ رہا۔

"اماں!" ہوش میں آتے ہی پہلا لفظ یہی تھا جو اس نے بولا تھا۔ وہ بری طرح سر پٹخ رہی تھی۔ "پانی......" اس کے پانی مانگنے پر وہ پانی کا گلاس بھر کر اس کی طرف پلٹا۔ اسے پانی پلانے کے بعد وہ پیچھے ہٹ گیا۔ رُل نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں' وہ اس وقت جہازی سائز بیڈ پر موجود تھی۔ اس کا ہاتھ بے اختیار پیشانی پر لگے زخم پر گیا' جہاں اب بینڈیج کردی گئی تھی۔

"مم...... میں کہاں ہوں؟" وہ ایک دم خوفزدہ ہوگئی تھی۔ اسے لگا وہ دوبارہ ان ہی لوگوں کے ہتھے چڑھ گئی ہے۔

"شکر ہے محترمہ آپ کو ہوش تو آیا۔ بائی دی وے خودکشی کرنا آپ کا شوق ہے یا ہابی؟" خاصا طنزیہ لہجہ تھا۔

"جج...... جی...... آ...... آپ...... کو...... کون؟" وہ گھبرا گئی۔

"میں وہ بدنصیب ہوں جس کی گاڑی سے ٹکرا کر آپ نے مرنے کی کوشش کی تھی۔ ویسے برستے طوفان میں سڑک کے عین درمیان میں کھڑے ہوکر دعا مانگنے کا کوئی نیا طریقہ

ایجاد ہوا ہے یا اس طرح دعائیں جلدی قبول ہوتی ہیں؟" وہ جو کوئی بھی تھا یقیناً سخت الجھن محسوس کر رہا تھا۔ لہجے میں طنز اور بےزاری کا عنصر نمایاں تھا۔ دفعتاً اس کی نظر خود پر پڑی تو پانی پانی ہوگئی۔ بھیگا ہوا لباس ستر پوشی کے لیے ناکافی تھا۔ اسی لمحے وہ اجنبی وارڈروب کی طرف گیا۔

"یہ لو۔" بلیو جینز اور بلیک ٹی شرٹ اس کی طرف اچھالی اور خود بنا کچھ کہے باہر نکل گیا۔ رمل نے سکھ کا سانس لیا۔ جینز کافی لمبی تھی، جس کے پائنچے موڑ موڑ کر اس نے اسے اپنے سائز کا بنایا۔ لمبی سی ڈھیلی ڈھالی ٹی شرٹ اس کے گھٹنوں تک آگئی تھی۔ دل کو تھوڑی ڈھارس ملی کہ وہ شخص شریف لگ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ دستک دے کر دوبارہ چلا آیا۔

"اب بتاؤ لڑکی تم کون ہو؟ اتنی رات گئے کہاں سے آرہی تھیں؟" اس کا لہجہ خاصا مشکوک تھا۔

"آپ پلیز...... مجھے غلط نہ سمجھیں میں...... وہ......" آنسوؤں کا گولہ حلق میں اٹکنے لگا۔

"یہ کام کسی شریف لڑکی کا تو نہیں۔ تم سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

"پلیز...... میں...... وہ......" وہ رو پڑی۔

"رو کیوں رہی ہو؟" اس نے بڑے بے رحم انداز میں اس کا چہرہ اوپر کیا تو وہ پوری جان سے لرز گئی۔

"پلیز...... میں ایک شریف لڑکی ہوں۔"

"ہونہہ۔ شریف لڑکی۔" اس نے سر جھٹکا۔ "رات کے بارہ بجے جانے کس کے ساتھ رنگ رلیاں......"

"شٹ اپ مسٹر۔ آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا مجھ پر الزام لگانے کا۔" وہ چیخ گئی۔

"جانتی ہو۔ اس وقت ہم دونوں یہاں بالکل تنہا ہیں اور میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔" اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔

رمل کا دل مارے خوف کے بند ہونے لگا۔

"آ...... آپ ایسا کچھ نہیں کر سکتے۔"

"کیوں۔ بہت اعتبار ہے مجھ پر؟" وہ سلگ کر پوچھنے لگا تو رمل کا سر اثبات میں ہل گیا۔

"کیوں۔ کیا لگتا ہوں میں تمہارا؟"

"آ...... آپ مجھے ایک شریف انسان معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہونہہ۔ ظاہری شخصیت ہمیشہ دھوکہ دیتی ہے۔"

"دیکھیں، خدا کے لیے مجھے جانے دیں۔" وہ رونے لگی تھی۔

"اس وقت کہاں جاؤ گی؟"

"کہیں بھی۔ مگر مجھے جانے دیں۔" اس کے گڑگڑانے پر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ ایک حقارت بھری نظر اس پر ڈالی، یوں جیسے وہ کوئی اچھوت ہو۔

"سنو۔ صبح ہوتے ہی یہاں سے چلی جانا۔ میری یہاں عزت ہے اور میں نہیں چاہتا کہ مجھ پر کوئی بات بنے۔" وہ یہ کہہ کر چلا گیا۔ رمل نے سکھ کا سانس لیا اور دروازہ لاک کر دیا۔

☆......☆......☆

"کیا بات ہے۔ آج چنڈال چوکڑی نظر نہیں آرہی۔" عاصمہ بھابھی نے سحر سے کہا۔

"ارے بھابھی! چنڈال چوکڑی کی ایک چھوکری تو نظر آرہی ہے ناں۔" اس نے برجستہ جواب دیا تو عاصمہ بھابھی مسکرادیں۔

"توبہ ہے۔ ایک تو تمہارے پاس ہر بات کا جواب پہلے سے موجود ہوتا ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"بھابھی! چائے بنانے جا رہی ہیں تو ساتھ میں کباب بھی فرائی کرتی آئیے گا۔" سحر نے آرڈر جاری کیا۔

"اور ساتھ میں فرنچ فرائز بھی۔" امروز وہیں آدھمکی۔

"اللہ یہ چٹوری لڑکیاں۔" بھابھی مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔

"سحر! پتا ہے ساتھ والے گھر میں نئے لوگ آئے ہیں۔" امروز نے اطلاع دی۔

"تو پھر؟"

"انعم کو بلواتے ہیں اور ان کے گھر چلتے ہیں۔"

"وہ کیوں؟"

"بھئی آخر کو وہ ہمارے نئے پڑوسی ہیں۔"

"مگر تمہیں اتنی دلچسپی کیوں ہو رہی ہے؟"

"دراصل...... میں نے چھت پر سے دیکھا تھا کہ ان کے سامان میں پیانو بھی ہے اور میوزک کے دوسرے

انسٹرومنٹس بھی۔ تو اس لیے......"

"تو یوں کہو ناں کہ لانچ میں وہاں جارہی ہو۔" سحر مسکرائی۔ امروز کو میوزک کا کریز تھا۔

"ہوسکتا ہے وہاں ہماری ہم عمر کوئی لڑکی ہو دوستی کرنے میں کیا حرج ہے۔" امروز کے کہنے پر سحر نے سر ہلا دیا۔

اور پھر اسی شام وہ تینوں اماں سے اجازت لے کر وہاں جا پہنچیں۔ 'ہمدانی ولا' کا شمار اس علاقے کے چند بہترین گھروں میں ہوتا تھا۔

"انعم بیل بجاؤ۔" سحر نے کہا۔

"میں؟ نہ بابا' میں نہیں بجارہی۔ بیل بجانے کا میرا بہت برا تجربہ ہے۔ مجھے پہلے دوبار کرنٹ لگ چکا ہے۔" انعم نے صاف انکار کردیا۔

"افوہ۔ اس میں اتنا ڈرنے کی کیا بات ہے۔ گیٹ کھلا ہے ہم اندر چلتے ہیں۔" امروز یہ کہتی ہوئی دھڑلے سے اندر چلی گئی۔ ناچار ان دونوں کو بھی اس کے پیچھے جانا پڑا۔ اتنا بڑا گھر بھائیں بھائیں کررہا تھا۔ کسی ذی روح کا نشان بھی نہیں تھا۔ وہ تینوں لاؤنج میں سے ہوتی ہوئی ڈرائنگ روم میں جا کھڑی ہوئیں۔

"عجیب لوگ ہیں' اتنا بڑا گھر کھلا چھوڑ کر چلے گئے۔"

"سحر امم...... مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔"

"پاگل۔ اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟"

"چلو ہم گھر چلتے ہیں۔ مجھے تو یہ کسی اسمگلر کا گھر لگ رہا ہے۔" امروز گھر کی سجاوٹ سے خاصی متاثر نظر آرہی تھی۔

"اے۔ کون ہو تم لوگ؟" گرجدار مردانہ آواز پر وہ تینوں سہم کر پلٹی تھیں۔

"جج...... جی وہ...... ہم آپ کے پڑوس میں رہتے ہیں۔" امروز نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"چوری کرنے آئی تھیں؟" اس کا انداز تفتیشی تھا۔

"واٹ؟ اے مسٹر! کہنا کیا چاہتے ہیں آپ؟" سحر تیز کراس کی طرف پلٹی۔

"آج کل کے چوروں کا طریقہ واردات ہی یہی ہے۔ خوب صورت لڑکیوں کو بہانے بہانے سے گھروں میں بھیج کر معلومات اکٹھی کی جاتی ہیں اور......"

"دیکھیں' دیکھیں۔ آپ ہم پر الزام لگا رہے ہیں۔"

امروز کو بھی تاؤ آگیا۔

"رنگے ہاتھوں پکڑا ہے میں نے تم لوگوں کو۔" وہ بمشکل ہنسی روکے ہوئے تھا۔

"چلو انعم' امروز۔ یہاں ٹھہرنا فضول ہے۔" سحر نے کہا تو وہ راہ میں حائل ہوگیا۔ "ارے ارے۔ ایسے کیسے جانے دوں میں' جانے کیا کچھ چرا چکی ہو تم لوگ۔" سحر کو اس کے ارادے 'مشکوک' سے لگے۔ اس نے ایک نظر انعم اور امروز کو دیکھا۔ اگلا لمحہ بے حد حیرت انگیز تھا۔ ان تینوں نے مل کر زوردار چیخ ماری' جس پر کاشان بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا' وہ تینوں دوڑ لگا چکی تھیں۔

"اُف! آج تو اللہ نے بچالیا۔" وہ تینوں پھولی ہوئی سانسوں سمیت بیڈ پر ڈھے گئیں۔

"پورا کمینہ شخص تھا۔" امروز نے کہا۔

"پکا بدمعاش معلوم ہوتا ہے۔" سحر نے بیڈروم فریج میں سے پانی کی بوتل نکالی۔

"مجھے تو وہ اسمگلر لگ رہا تھا' گھر دیکھا تھا کیسا زبردست ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا۔" انعم نے کہا تو امروز نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"تو اور کیا۔ ایسے گھر تو اسمگلروں کے پاس ہوتے ہیں۔"

"وہ تو شکر خدا کا کہ ہم بھاگ آئیں' ورنہ پتا نہیں وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتا۔"

"ویسے یار' بندہ اسمارٹ ہے۔" انعم کے کہنے پر سحر چڑ گئی۔

"دفعہ دور۔ سیرت اچھی نہ ہو صورت کا اچار ڈالنا ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ۔" امروز چلائی۔

"کیا ہوا؟"

"وہ کھیر سے بھرا ہوا پیالہ تو ہم وہیں بھول آئے ہیں۔"

"ہائے اللہ' میرا بریسلیٹ بھی وہیں گر گیا ہے۔" سحر افسوس کرنے لگی۔

"اب وہ کمینہ ساری کھیر کھا جائے گا۔" امروز کو زیادہ افسوس اس کھیر کا تھا۔

"وہ کہتے ہیں ناں دانے دانے پر لکھا ہے پینے والے کا نام۔" انعم کے کہنے پر امروز نے چڑ کر اس کی چٹکی لی۔

"دفتر جانے والے نہیں' کھانے والے کا کام۔" اور نعم ترا ساحت نا کر دی گئی۔

☆——☆——☆

صبح سویرے نماز پڑھتے ہی وہ وہاں سے نکل گئی تھی۔ جانے سے پہلے اس نے اپنا لباس پہن لیا تھا مگر اس میں ابھی بھی تھوڑی نمی باقی تھی مگر مسئلہ یہ تھا اس کے پاس دوپٹہ نہیں تھا اور اس وجہ سے وہ خاصی شرمندگی محسوس کر رہی تھی مگر اس کا یہ مسئلہ بھی اسی نے حل کر دیا' بلیک مردانہ شال اس کو دینے کے ساتھ وہ جینز اور شرٹ بھی دے ڈالی۔

"یہ بھی جاؤ۔ میں کسی کی اترن استعمال کرنے کا عادی نہیں۔"

"مم مگر——" وہ ہچکچائی۔

"چاہو تو باہر پھینک دینا۔" وہ کروفر سے کہتا واپس مڑ چکا تھا۔

"اف انتہا مغرور اور خود پسند شخص۔" وہ محض سوچ کر رہ گئی مگر اگلے ہی لمحے سر جھٹکا۔ بہر حال وہ اس کا مسیحا بن کر آیا تھا۔ وہ باہر نکل آئی' صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیل رہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف درختوں کی قطاریں تھیں' جن پر پرندے حمد و ثنا میں مصروف تھے۔ وہ چلتے چلتے خاصی دور نکل آئی تھی' ذرا دیر کو ستانے کے لیے وہ سڑک کے کنارے بینچ پر بیٹھ گئی۔ پاؤں شل ہونے لگے تھے اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ ایسے ہی بیٹھے بیٹھے اس نے ہاتھ میں پکڑی جینز کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو ہزار ہزار کے کئی نوٹ ہاتھ میں آگئے۔

"یہ مجھے اس کو واپس کر دینے چاہئیں۔ شاید وہ اس میں رکھ کر بھول گیا ہے۔" وہ کھڑی ہوئی مگر اگلے ہی لمحے اس کے بڑھتے قدم تھم گئے۔ "مجھے یہ روپے اللہ کی مدد سمجھ کر رکھ لینے چاہئیں۔" اب اس کا رخ ملتان ریلوے اسٹیشن کی طرف تھا۔ ہاتھ میں پیسے آئے تو سوچ کے در بھی وا ہو گئے۔ لاہور میں اس کی ایک دور پار کی آنٹی رہتی تھیں' وہ انہی کے پاس جانا چاہ رہی تھی۔

وہ ٹرین میں ایک طرف کونے میں دبکی ہوئی تھی' تین گھنٹے ہو گئے تھے اسے یوں بیٹھے ہوئے۔ بیٹھے بیٹھے وہ کہیں دور ماضی میں نکل گئی۔

☆——☆——☆

"رُبل! بیٹا اٹھ جاؤ' دن چڑھ آیا ہے۔" اماں آتے جاتے تھوڑی تھوڑی دیر بعد یہ جملہ بولتیں۔

"اماں آج تو چھٹی کا دن ہے' سونے دیں ناں۔" وہ کسمسائی۔

"بیٹا صبح خیزی اچھی عادت ہوتی ہے اور صبح سویرے تو فرشتے رزق بانٹتے ہیں۔"

"اماں میرے حصے کا بھی آپ ہی لے لینا۔" وہ نیند کے خمار سے بھری آواز میں بولی۔

"پاگل۔" اماں ہنس دیتیں۔ وہ سو کر اٹھی تو خالہ نصیبن اماں کے پاس موجود تھی۔

"اے بی! بڑوں کو سلام کرنے کی توفیق نہیں ہوتی تمہیں۔" خالہ ناک پر انگلی جما کر بولتیں۔

"السلام علیکم!" وہ روکھے انداز میں کہتی کچن میں جا گھسی۔ خالہ نصیبن اسے شروع سے ہی زہر لگتی تھیں۔ ہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی اوٹ پٹانگ رشتہ لے کر اماں کے پاس آ موجود ہوتیں۔

"لو بھلا ایسا تھما مارا سلام۔ لگتا ہے پتھر کھینچ مارا ہو۔" خالہ کو اس کا رویہ ناگوار گزرا۔

"مجھے ایسے ہی سلام کرنا آتا ہے۔" وہ ٹھنک کر بولی۔

"رُبل!" اماں نے ٹوکا۔

"کیا ہے اماں؟" وہ بیزاری سے پلٹی۔

"بڑوں سے ایسے بات کرتے ہیں؟"

"سوری اماں۔" وہ اسی وقت اپنی غلطی تسلیم کر کے اندر چلی گئی' مبادا اماں کوئی اور نصیحت کرنے بیٹھ جائیں۔

"اے آمنہ! میں کہتی ہوں رشتہ اچھا ہے۔ تیری بیٹی راج کرے گی راج۔" خالہ کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"ہونہہ راج کرے گی' مائی فٹ۔" وہ ناگواری سے بڑبڑائی۔

"وہ تو ٹھیک ہے خالہ پر اتنے بڑے گھر میں بیٹی دیتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ کہاں وہ' کہاں ہم۔" آمنہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

"اے لو اور سے تم یہی سوچتی رہ جاؤ گی اور انہیں کوئی اور دیکھ جائے گا' لڑکا کاروبار کرتا ہے' خیر سے اپنی کوٹھی ہے' لڑکی ہے' صرف ایک ماں ہے' وہ بھی آج ہے کل نہیں۔ ہر چیز کی مالک تیری بیٹی ہی ہوگی۔ مجھے اب جلدی سے بتادو' کب لاؤں انہیں؟" خالہ اپنا برقع سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ارے خالہ! تم بھی کمال کرتی ہو۔ ابھی سے میں تم کو کیسے بتادوں۔"

"اے تو میں کون سا تمہیں ہاں کرنے کو کہہ رہی ہوں' پہلے وہ لوگ آئیں گے لڑکی کو دیکھیں گے تو کچھ بات آگے بڑھے گی۔ بس میں انہیں کل لا رہی ہوں' آگے تمہاری مرضی۔" خالہ اپنا برقع سنبھالتی' پان چباتی' یہ جا وہ جا۔

رُبل نخوت سے سر جھٹک کر رہ گئی۔

"ٹکٹ ٹکٹ... بی بی ٹکٹ دے دو۔" ٹکٹ چیکر کی آواز اسے دوبارہ حال میں کھینچ لائی۔

"ٹائم کیا ہوا ہے؟" ٹکٹ دینے کے بعد وہ ساتھ بیٹھی عورت سے مخاطب ہوئی۔

"چھ بجنے والے ہیں۔" "جانے کب ختم ہوگا یہ سفر۔" اس نے کرب سے آنکھیں بھینچ لیں اور ماضی کے دریچے کھول لیے۔

"اماں! میں کہہ رہی ہوں کہ ان لوگوں کے سامنے نہیں جاؤں گی۔"

"آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟"

"مجھے اپنی نمائش کروانا اچھا نہیں لگتا۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"جب لڑکیوں کے رشتے آتے ہیں تو یہ سب تو ہوتا ہی ہے۔ اب ضد نہ کرو چائے لے کر اندر آؤ۔" اماں کہہ کر چلی گئیں۔ وہ جلتے بھنتے چائے لے کر اندر گئی' ان خاتون نے اسے اوپر سے نیچے تک جانچا۔ وہ جزبز ہو کر رہ گئی۔ بھڑکیلے رنگ کی ساڑھی میں میک اپ سے لتھڑا چہرہ لیے وہ عورت رُبل کو بُری طرح کھٹک رہی تھی۔

"اماں! مجھے یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔" ان کے جاتے ہی اس نے کہا تھا۔

"رُبل! یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میں تو انہیں ہاں کر چکی ہوں۔"

"اماں اتنی جلدی۔ میری مرضی جانے بغیر۔" اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"وہ لڑکے کی تصویر لائی تھیں۔ ہر طرح سے معقول رشتہ ہے پھر میں بھلا کس لیے انکار کر دیتی۔"

"مم—— مگر اماں"

"دیکھو بیٹا! میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ جانے کب بلاوا آجائے۔ میں چاہتی ہوں کہ میری زندگی میں ہی تم اپنے گھر کی ہو جاؤ۔" اماں کے لہجے میں زمانے بھر کی تھکن اور دکھ بھرا تھا۔ اور پھر ایک شام بڑی سادہ سی تقریب میں اس کی منگنی کامران سے ہو گئی۔ اس کے والد محمود خان مردان کے رہنے والے تھے۔ روزگار کے سلسلے میں پنجاب آئے تو لاہور میں رہائش اختیار کی' وہیں آمنہ سے ملاقات ہوئی اور نوبت شادی تک جا پہنچی۔ مگر آمنہ کے گھر والوں نے اس رشتے سے انکار کر دیا کیوں کہ وہ خاصے امیر لوگ تھے جبکہ محمود خان ایک پرائیوٹ ادارے میں معمولی سے کلرک تھے۔ آمنہ اور محمود نے کورٹ میرج کر لی' جس کی پاداش میں دونوں کے خاندان نے ان سے قطع تعلق کر لیا۔ محمود خان اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے' ماں تو پہلے ہی وفات پا چکی تھیں بعد میں والد بھی چل بسے۔ البتہ آمنہ کا خاندان خاصا بھرا پرا تھا۔ آمنہ نے ساری زندگی محمود کی قلیل آمدنی میں گزارا کرتے ہوئے گزار دی مگر کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائی۔ شادی کے دو سال بعد رُبل ان کی زندگی میں تازہ ہوا کا جھونکا بن کر آئی۔ رُبل جب آٹھ برس کی تھی تو محمود ایک ٹریفک حادثے میں وفات پا گئے۔ آمنہ نے رُبل کو ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا۔ وہ ایک پرائیوٹ اسکول میں ٹیچنگ کرتی تھیں۔ محمود کے انتقال کے بعد بھی اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر نہ گئیں۔ رُبل کے بی اے کرتے ہی انہیں اس کی شادی کی فکر پڑ گئی تھی۔ رُبل اس رشتے پر بالکل خوش نہیں تھی مگر صرف اماں کی وجہ سے خاموش تھی۔ کامران اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔ ہر دوسرے دن کسی نہ کسی بہانے آدھمکتا۔ خاصی عجیب نظروں سے اسے تکتا تو وہ کڑھ کر رہ جاتی۔ اماں اس کے آئے روز کے پھیروں کو اس کی چاہت گردانتیں مگر وہ جانے کیوں مطمئن نہیں تھی۔

اس روز وہ کچن میں بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھی' جبھی نظروں کی تپش کا احساس ہوا تو سر اٹھا کر دیکھا۔ کامران خاصی بے

باک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جانے وہ کب آیا تھا۔

”آ..... آپ؟“ اس نے سائیڈ پر پڑا دوپٹہ لپک کر اٹھایا۔ آنا گے ہاتھوں سے دوپٹہ جگہ جگہ سے خراب ہوگیا تھا۔

”ناحق زحمت کی میں کوئی غیر تو نہیں۔“ وہ اسے گھورتے ہوئے معنی خیز انداز میں بولا۔ رمل اس کے اس گھٹیا انداز پر سلگ کر رہ گئی۔

”وہ..... آپ اندر چل کر بیٹھیں۔ اماں نماز پڑھ رہی ہیں۔“

”جی ہم تو آپ کے درشن کرنے آئے ہیں۔“ عجیب بازاری سا لہجہ تھا۔ وہ دروازے میں ایستادہ تھا یوں کہ وہ نکل بھی نہ سکتی تھی۔

”راستہ دیجئے۔“ وہ روکھے پن سے گویا ہوئی۔

”جائیے ہم نے آپ کو روکا تو نہیں ہے۔“ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلا۔

”پلیز۔“ وہ روہانسی ہوگئی۔

”کامران بیٹا! کب آئے؟“ اسی لمحے آمنہ آگئیں۔

”جی آنٹی! بس وہ ابھی ابھی۔“ وہ خاصا مؤدب بن کر کھڑا ہوگیا۔

”رمل بیٹا! چائے بنا کر لاؤ۔“ آمنہ نے کہا اور خود کامران کو لے کر اندر چلی گئیں۔

☆......☆......☆

یہ لڑکی خاصی سرپھری معلوم ہورہی تھی۔ بات کرو تو الٹا کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی اور آدرش بغیر بولے کہیں رہ نہیں سکتا تھا۔

”ایکسکیوزمی۔“ وہ کوئی چوتھی بار اس سے مخاطب ہوا تھا۔

”اب کیا ہے؟“ وہ رسالے پر سے نظریں ہٹا کر اس سے خاصی تلخی سے بولی۔

”کیا آپ کو کسی ڈاکٹر نے بولنے سے منع کیا ہے؟“

”مسٹر آپ کے ساتھ پرابلم کیا ہے؟“

”پرابلم یہ ہے کہ میں خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔“

”تو پھر علاج کروائیے۔“

”علاج ہے نا اس۔“

”وہ کیا؟“

”یہی کہ میرے ساتھ کوئی بولتا رہے۔“

”ایڈیٹ۔“ وہ منہ بچکا کر دوبارہ رسالہ دیکھنے لگی تھی۔

”دیکھئے مس آپ میری انسلٹ کررہی ہیں۔“

”اور آپ جو اتنی دیر سے میرا سر کھا رہے ہیں‘ یہ جہاز ہے آپ کا گھر نہیں۔ سمجھے آپ۔“

”سیانے کہتے ہیں اگر ہم سفر میرے جیسا خوب صورت اور اسمارٹ ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی ہو تو سفر اچھا کٹ جاتا ہے۔“

”بعض اوقات عذاب بھی بن جاتا ہے۔“ وہ جلی بیٹھی تھی۔ ”اور سنئے مسٹر میں ان اوچھی حرکتوں سے متاثر ہونے والی نہیں ہوں۔“

آدرش ایک لمحے کو خاموش رہ گیا۔ لڑکی نے بُری طرح انسلٹ کردی تھی۔

☆......☆......☆

دن بڑے بے کیف گزر رہے تھے۔ اس کے پاس کرنے کو کچھ بھی نہ تھا۔

”رمل بیٹی! دروازہ بند کرلو میں یہ بجلی کا بل جمع کروا آؤں۔“ آمنہ نے جاتے جاتے تاکید کی۔ صبح سے شام ہونے کو آئی مگر آمنہ نہ لوٹیں‘ اسے تشویش ہونے لگی۔ بُرے بُرے وہم اسے ستا رہے تھے۔ تقریباً رات آٹھ بجے کے قریب کسی نے بڑی زور سے دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کی جان میں جان آئی۔

”آج تو اماں سے خوب لڑوں گی‘ بھلا اتنی دیر بھی کوئی لگاتا ہے۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی دروازے تک گئی اور دروازہ کھول دیا۔

”نہیں۔“ وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹی تھی۔ کچھ لوگ خون میں لت پت آمنہ کی لاش اٹھا کر لائے تھے۔ وہ بھی حادثے کا شکار ہوگئی تھیں۔

”اماں‘ اماں‘ تم مجھے اس طرح چھوڑ کر نہیں جاسکتیں‘ اماں اٹھو۔ مجھے کس کے سہارے پر چھوڑ کے جارہی ہو۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔ اماں‘ آنکھیں کھولو۔“ وہ آمنہ کے سرد وجود کو جھنجھوڑتے ہوئے دیوانوں کی طرح چلا رہی تھی۔

سوئم کے بعد اس کی ساس مہ پارہ بیگم اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئیں‘ وہاں کا ماحول خاصا عجیب تھا‘ سارا دن عجیب عجیب طرح کے لوگ آتے جاتے رہتے‘ کامران کو گویا کھلی چھوٹ ملی ہوئی تھی۔ وہ رمل کے ساتھ خاصی بے باک گفتگو کرتا‘ اسے الجھن ہونے لگی تھی اس ماحول سے۔ مہ پارہ بیگم جلد سے جلد نکاح کرنا چاہ رہی تھیں مگر اس کا کہنا تھا کہ کم از کم اماں کے چالیسویں تک وہ شادی نہیں کرسکتی۔

”بس‘ پارو بیگم‘ اب مجھ سے مزید صبر نہیں ہوتا۔“ کامران کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ غیر ارادی طور پر رک کر ان کی گفتگو سننے لگی۔

”ارے۔ وہ کہیں بھاگی تو نہیں جارہی۔ اب تو اسے ساری زندگی یہیں رہنا ہے۔“

”بس میں اور انتظار نہیں کرسکتا۔ وہ لڑکی میرے ضبط کا امتحان بن گئی ہے‘ میں چاہتا ہوں کہ کسی اور سے پہلے وہ میری مسرت کا سامان بنے۔“ اس کا لہجہ انتہائی گھٹیا تھا۔

”دیکھو کامی۔ لڑکی شریف خاندان سے ہے‘ ذرا دیر سے قابو میں آئے گی‘ تم چند روز تک نکاح کا بندوبست کرو۔“ رمل کا تو کاٹو تو لہو نہیں والا حال تھا۔ ”اُف! میں کن لوگوں کے چنگل میں پھنس گئی ہوں۔“ سارا دن خدا سے فریاد کرتے ہوئے گزرا۔ اسی روز رات کو مہ پارہ بیگم کو کہیں جانا پڑ گیا‘ وہ اپنے کمرے میں تھی‘ جب ایک جھٹکے سے دروازے کو ٹھوکر مار کر کامران اندر آگیا۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے۔ کسی کے کمرے میں آنے سے پہلے ناک کیا جاتا ہے۔“

”یہ بدتمیزی نہیں‘ محبت ہے جانِ محبت۔“ اس کے اس گھٹیا طرزِ تخاطب پر وہ سلگ کر رہ گئی۔

”دفعہ ہوجاؤ یہاں سے۔“ وہ پوری قوت سے دہاڑی۔

”نا نا..... آ..... آج نہیں۔ آج تو ملن کی رات ہے۔“ وہ اس کی طرف بڑھا۔ شاید وہ نشے میں تھا‘ رمل کو ابکائی آنے لگی۔

”میں کہتی ہوں میرے قریب مت آنا۔“ وہ سہم کر پیچھے ہٹی۔ بجلی زور سے کڑکی تھی اور تیز ہوا سے کھڑکی کے دونوں پٹ زور سے ٹکرائے تھے۔ کامران اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے رمل کا دوپٹہ پکڑ لیا‘ وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹی اور اسے زوردار دھکا دیا۔ کامران کے ہاتھ صرف اس کا دوپٹا آگیا اور وہ باہر نکل گئی۔ طوفانی بارش ہورہی تھی‘ مگر وہ اندھا دھند بھاگے چلی جارہی تھی۔ جبھی وہ گاڑی سے ٹکرا کر ہوش و خرد سے بیگانہ ہوگئی تھی۔

”چلو بہن‘ لاہور اسٹیشن آگیا ہے۔“ ساتھ والی خاتون کے کہنے پر وہ سوچوں کے گرداب سے باہر نکلی۔

پلیٹ فارم پر انسانوں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اسے اپنی رشتے کی آنٹی کا پتہ معلوم تھا۔ اپنی وفات سے چند روز قبل جانے کیوں اماں نے اسے ان کے بارے میں بتایا تھا‘ شاید انہیں آنے والے وقت کی آہٹ سنائی دے گئی تھی‘ اماں کو یاد کرکے ہی اس کی آنکھیں دھندلانے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

”سحر۔ چھوٹے بھائی کو گئے کتنے دن ہوگئے ہیں؟“ امروز کے کہنے پر وہ فوراً بولی تھی۔ ”نو دن۔“

”اس بار کچھ زیادہ ہی لیٹ نہیں ہوگئے چھوٹے بھائی۔“

”ہوسکتا ہے بزنس کا کوئی اور کام نکل آیا ہو۔“

”کس کا کام نکل آیا ہو؟“ اسی لمحے وہ آدھمکا۔

”چھوٹے بھائی۔“ وہ دونوں چیختی ہوئی اس کی طرف دوڑیں۔

”اللہ رے یہ بے تابیاں‘ چھوٹے بھائی کی قدر تو ان نو دنوں میں معلوم ہوگئی ہوگی۔“ وہ ان دونوں کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیتے ہوئے بولا۔

”چھوٹے بھائی! بڑے خراب ہیں آپ۔“ سحر نے لاڈ سے اس کے شانے پر سر رکھا۔

”یہ ثمروز کہاں ہے؟“ اس نے پوچھا ہی تھا جب اس کی نظر سامنے کھڑی ثمروز پر پڑی۔ ”لو محترمہ وہاں کھڑی ہیں‘ تمہارا کیا حال ہے سڑیل؟“ وہ اس کی چٹیا مروڑتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”آدرش چھوڑو۔ بہت بدتمیز ہو تم۔“ وہ جھینپ گئی‘ آدرش کو دیکھتے ہی اس کے من کی گھنٹیاں سی بجنے لگی تھیں۔

”کیوں کہ میں نے اپنی تمیز تمہیں جو ادھار دے رکھی ہے۔“ وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ اسی لمحے نعیم ربانی اندر داخل ہوئے۔

”السلام علیکم ابو!“

''وعلیکم السلام جیتے رہو۔'' اسی وقت نعیم ربانی بھی آ گئے' آدرش اب انہیں اس نئی ڈیل کے بارے میں بتانے لگا جس کے سلسلے میں وہ کراچی گیا تھا۔ سحر امروز اور ثمروز وہاں سے اٹھ کر چلی گئیں کیونکہ اب وہاں خالصتاً کاروباری گفتگو ہو رہی تھی۔

''سحر ابریہ کہاں ہے؟'' دفعتاً ثمروز نے پوچھا۔

''وہ امی کے ساتھ بازار گئی ہیں۔''

''ارے اس وقت؟''

''تم بھی اپنے کمرے سے باہر نکلو تو پتہ چلے۔'' امروز کے کہنے پر ثمروز چڑ گئی۔ یہ اس کی عادت تھی ذرا ذرا سی بات پر چڑ جایا کرتی تھی۔ بریہ' سحر کی بڑی بہن تھی' عنقریب اس کی شادی ثمروز امروز کے بھائی عدیم سے ہونے والی تھی۔

'ربانی ولا' سفید اور سرخ پتھروں سے بنا ہوا جدید طرز کا بنگلہ تھا جس کی بیرونی دیواروں کو ہری بیلوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ نعیم ربانی اور فہیم ربانی دو ہی بھائی تھے۔ نعیم ربانی بڑے تھے ان کی بیگم صاعقہ ان کی فرسٹ کزن تھیں۔ ان کی اولاد میں بالترتیب عارش' آدرش' بریہ اور سحر تھیں' عارش کی شادی اپنی خالہ زاد عاصمہ سے ہوئی تھی۔ فہیم ربانی کی اولاد میں عدیم' ثمروز اور امروز تھیں۔ خدا نے اس گھرانے کو محبت اور ان جیسی نعمتوں سے نوازا تھا۔ ان کی آپس میں محبت کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ دونوں بھائیوں کا مشترکہ بزنس تھا' تینوں لڑکے بھی ان کے ساتھ بزنس میں ہی تھے۔ سحر امروز اور انعم تینوں کلاس فیلوز تھیں۔ انعم کا گھر بھی قریب ہی تھا' ان تینوں کو شیطان کی ٹولی کہا جاتا تھا جبکہ عاصمہ بھابھی نے انہیں چنڈال چوکڑی کا خطاب دے رکھا تھا۔ نت نئی شرارت' ہر طرح کے اوٹ پٹانگ منصوبے بنانا اُن کا کام تھا۔

''ممی۔ یہ شانزہ کی بچی کچھ زیادہ ہی سنجیدہ خانم نہیں بن گئی۔''

''کاشی تم سے بڑی ہوں میں تمیز سے بولا کرو۔''

''ہا ہا بڑی تو دیکھو ایک سال کا فرق بھی کوئی فرق ہوتا ہے' مجھے تو میں تم سے بڑا لگتا ہوں۔'' وہ اترایا۔

''لوگ سچ کہتے ہیں کہ لمبے قد والوں کی عقل ٹخنوں میں ہوتی ہے۔'' وہ اپنی چھوٹی سی ناک سکیڑتے ہوئے بولی۔

''چھوڑو اب تم دونوں نے پھر سے لڑنا شروع کر دیا ہے۔'' نورین بیگم نے کہا۔

''ارے نہیں ممی! وہ تو ہم ایسے ہی مذاق کر رہے تھے۔ میں بھلا اتنی پیاری بہن سے لڑ سکتا ہوں۔'' وہ دلار سے اس کے کندھوں کے گرد بازو لپیٹتے ہوئے بولا۔

''توبہ ہے تم لوگوں کی بھی بات سمجھ میں نہیں آتی' پل میں شعلہ پل میں شبنم۔'' نورین اٹھ کر چلی گئیں۔

''خیریت۔ یہ آج اتنا پیار کیوں آ رہا ہے مجھ پر؟''

شانزہ نے ایک معنی خیز نظر اس پر ڈالی۔

''شانی! تمہیں پتا ہے ہمارے پڑوس میں بڑے اچھے لوگ رہتے ہیں۔''

''اچھا' ویری گڈ' نیک سروس بھی۔ نئے گھر میں آتے ہی لوگوں کے بارے میں بھی علم ہو گیا۔ ہوں...... ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔''

''نہیں' نہیں تو۔ مم...... مجھے بھلا کیا' وہ جو بھی ہوں۔'' کاشان بوکھلا گیا۔

''ضرور پڑوس میں لڑکیاں رہتی ہوں گی۔''

''ہاں وہ...... اس دن برابر والے گھر سے تین لڑکیاں آئی تھیں کھیر لے کر۔''

''اور میں کہاں تھی؟''

''تم ممی کے ساتھ ایئرپورٹ پر تھیں۔''

''چلو اب ایسا کریں گے ہم بھی ان کے گھر کھیر کا پیالہ لے جائیں گے' بشرطیکہ وہ کھیر تم خود پکاؤ۔'' شانزہ کے کہنے پر وہ محض ہنس دیا۔

☆......☆......☆

''کیا سوچ رہی ہو؟'' سونیا رِمل کے قریب آ دھمکی۔ وہ اس کی روم میٹ تھی' اس کی رشتے کی آنٹی ایک ٹیوشن سینٹر چلاتی تھیں۔ انہوں نے اسے نہ صرف ہاسٹل میں کمرہ دلوایا تھا بلکہ اسے اپنے ہاں بطور ٹیچر جاب بھی دے دی تھی۔

''سوچ رہی ہوں میں دنیا پر کتنا بھاری بوجھ ہوں۔''

''تم تو جیسے بڑی بھاری ہو' اتنی بڑی دنیا کے لیے۔''

''مجھ جیسی لڑکیاں بھاری ہی تو ہوتی ہیں۔''

''کوئی بکواس نہیں چلے گی۔''

''یہ بکواس نہیں حقیقت ہے مائی ڈیئر۔''

''حقیقت نہیں' تمہارا پاگل پن ہے۔''

''صحیح کہہ رہی ہو' ان حالات نے مجھے پاگل ہی تو کر دیا ہے۔''

''یا خدا! کیسی لڑکی ہے یہ؟'' سونیا نے گویا سر پیٹ لیا۔ ''خدا نہ کرے ایسے حالات تمہارے ساتھ پیش آئیں تو بتاؤں گی کہ کیسی لڑکی ہوں میں۔ میں بھی کبھی زندگی سے بھرپور' ہنس مکھ لڑکی تھی۔ مگر وقت...... وقت بڑا ظالم ہوتا ہے۔ انسان کو پل میں بدل کر رکھ دیتا ہے۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''میں تمہارا دکھ سمجھ سکتی ہوں رِمل۔ میرے حالات بھی کم و بیش تم سے ملتے جلتے ہیں۔ تم نے تو چلو غیروں کے ہاتھوں دھوکہ کھایا ہو' مجھے دیکھو میرے تو اپنوں نے مجھے دو کوڑی کا کر دیا۔ محض پچیس ہزار کی خاطر میرا چچا مجھے ایک بوڑھے سے بیاہنے کو تیار ہو گیا تھا مگر دیکھ لو میں ویسے ہی جیتی جاگتی ہوں' ہنستی بولتی ہوں' کسی بھی دکھ کو سر پر سوار کر لینے سے نقصان ہمارا اپنا ہی ہوتا ہے۔''

''شاید تم ٹھیک ہی کہتی ہو سونیا۔ مگر میں...... میں ابھی اس قابل نہیں ہوں کہ اتنا بڑا غم سہہ سکوں۔''

''تم یوں مت کہو۔ اللہ ہمیشہ برداشت کے مطابق ہی آزمائش میں ڈالتا ہے۔''

''میری اماں نے قدم قدم پر مجھے سہارا دیا تھا اور آج میں بے سہارا' تنہا اس زمانے کے سرد و گرم سے نبرد آزما ہوں۔ میں کیا کروں سونیا' میں بہت تنہا ہو گئی ہوں۔ اماں! مجھے اپنے پاس بلا لیں اماں!'' وہ بچوں کی طرح بلک پڑی۔

''رِم! پلیز خود کو سنبھالو' زمانے سے لڑنا سیکھو' مضبوط بنو۔ وہ بھی تو جی رہے ہیں' جن کا کوئی نہیں ہے۔ اور جن کا کوئی نہیں ہوتا' ان کا خدا ہوتا ہے۔'' سونیا نے اس کے آنسو پونچھے۔ سونیا ہمہ وقت اس کی دلجوئی میں لگی رہتی' زبردستی اپنے ساتھ شاپنگ پر لے کر جاتی۔

''کہاں جا رہی ہو رِمل؟'' سونیا نے اسے باہر جاتے دیکھا تو پوچھ لیا۔

''اخبار میں جاب کا اشتہار آیا تھا' وہیں انٹرویو دینے جا رہی ہوں۔''

''او کے' وش یو بیسٹ آف لک۔'' جواب میں وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئی' وہاں پر تین لڑکیاں اور تھیں۔ دو نے تو اس کی طرح صرف گریجویشن کیا ہوا تھا' جبکہ ایک نے ایم اے کر رکھا تھا۔ اسے حیرت اس بات کی ہو رہی تھی کہ اتنی بڑی کمپنی میں انٹرویو کے لیے صرف چار لڑکیاں آئی تھیں۔

''مے آئی کم ان سر۔'' اس کی باری آخر میں ہی آئی تھی۔

''یس سٹ ڈاؤن پلیز۔'' وہ معمر تھے۔ خاصی ڈیسنٹ پرسنالٹی تھی ان کی۔

''آپ کا نام؟''

''رِمل' رِمل خان۔''

''کوالیفکیشنز؟''

''گریجویشن۔''

''پہلے کہیں جاب کی ہے؟''

''جی...... جی ہاں' ایک ٹیوشن سینٹر میں بطور ٹیچر۔''

''او کے' کل صبح آٹھ بجے اس پتے پر پہنچ جایئے گا۔'' انہوں نے ایک کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

''کیا مطلب؟ گھر میں نوکری؟'' وہ کارڈ پر گھر کا پتہ پڑھنے کے بعد حیرانی سے گویا ہوئی۔

''سو واٹ؟ آپ کو ماہانہ پانچ ہزار ملیں گے' چاہیں تو رہائش بھی ہماری طرف سے ہو گی۔''

''مگر سر......''

''چلیں سات ہزار ٹھیک ہیں۔''

''سر میرا مطلب یہ نہیں تھا۔''

''پھر؟''

''مجھے کام کیا کرنا ہو گا؟''

''دیکھ بھال' گھر کی بھی میرے بیٹے کی بھی۔ آپ نے بتایا کہ آپ ٹیچر رہ چکی ہیں' مجھے ایک ٹیچر کی بھی ضرورت ہے۔'' رِمل سوچ میں پڑ گئی۔

''دیکھیں مس رِمل' مجھے بہت جلدی ہے۔ اگر آپ راضی ہیں تو کل صبح اس پتے پر پہنچ جایئے گا۔''

''او کے۔'' وہ وہاں سے اٹھ گئی۔ وہ اسی کشمکش میں مبتلا تھی کہ جانے وہ کیسے لوگ ہوں' تنخواہ تو خاصی پرکشش تھی' اس کی موجودہ تنخواہ سے تین گنا بہتر۔ آخر اللہ کا نام لے کر وہ دوسرے دن اس بنگلے پر پہنچ گئی۔

"آیئے مس رمل۔ مجھے یقین تھا کہ آپ ضرور آئیں گی۔" انہی صاحب نے اس کا استقبال کیا۔

"مجھے کام کیا کرنا ہوگا سر؟"

"کام...... آیئے میرے ساتھ۔"

"مگر کہاں؟"

"آپ آئیں تو۔" وہ صاحب چل پڑے تو اسے بادل نخواستہ ان کی تقلید کرنا پڑی۔ کوریڈور میں سے گزر کر وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ "آیئے مس رمل گھبرائیں نہیں پلیز۔" وہ اندر داخل ہوگئی۔ اسی لمحے اس کی نظر بیڈ پر موجود شخص پر پڑی۔

"یہ میرا بیٹا ہے اعیان۔" رمل حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی۔

☆......☆......☆

"سحر انعم پتہ ہے وہ ساتھ والی آنٹی آئی ہوئی ہیں۔" امروز نے اطلاع دی۔

"کون سی آنٹی؟"

"ارے وہی اسمگلر کی اماں جان۔"

"ارے کیا وہ اسمگلر بھی ساتھ ہے؟"

"نہیں اس کی بہن ہے۔"

"چلو چل کر ملتے ہیں۔" وہ تینوں ڈرائنگ روم میں چلی آئیں۔ شانزہ سے کافی خوش اخلاقی سی ملیں وہ خاصی متاثر ہوئی تھیں شانزہ سے۔ وہ تھی ہی اتنی خوب صورت اور خوش اخلاق جاتے ہوئے وہ ان سب کو رات کو اپنے گھر ہونے والی پارٹی میں شرکت کی دعوت دے گئیں۔

"کہاں جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟" آدرش آدھمکا۔

"چھوٹے بھائی وہ ہمارے نئے پڑوسی ہیں ناں ان کے ہاں پارٹی ہے آپ بھی چلیں ناں۔" امروز نے بتانے کے ساتھ ہی اسے چلنے کا کہا۔

"میں تھکا ہوا ہوں بھئی۔"

"چھوٹے بھائی وہ شانزہ بہت اچھی ہے۔" سحر نے کہا۔ شمروز کو اس کا یوں کہنا بالکل اچھا نہ لگا۔

"اچھی ہے تو پھر کیا کروں؟" شرارت سے بولا۔

"کمال ہے ایک تو اتنی حسین لڑکی کا پتہ دے رہے ہیں آپ کو اور آپ ہیں کہ......" امروز نے کہا تو وہ اس کی بات کاٹ گیا۔

"ارے یار! چھوڑو دوسری لڑکیوں کو اس دل میں تو اب کوئی اور سما گیا ہے۔" بڑی خوب صورت مسکراہٹ اس کے لبوں پر رقصاں تھی۔ اس نے ایک نظر شمروز کو دیکھا جس کا چہرہ گل رنگ ہو چلا تھا۔ اس کا وہاں رکنا دوبھر ہوگیا۔ وہ جھینپ کر باہر نکل گئی۔

"ارے اسے کیا ہوا؟" آدرش چونکا۔

"بھائی کون ہے وہ؟ ہمیں بھی تو بتائیں ناں۔" سحر اور امروز اس کے پیچھے پڑ گئیں مگر وہ بڑی خوب صورتی سے ٹال گیا۔ نگاہوں میں ایک دم وہ تپا تپا سا تیکھا چہرہ ٹھہر گیا۔ عجیب تھا وہ بھی جس لڑکی نے بُری طرح انسلٹ کی تھی اسی پر مرمٹا تھا وہ۔

"ہونہہ نہ بتائیں شرط لگا لیں آپ کی وہ جو بھی ہے کم از کم شانزہ سے اچھی نہیں ہو سکتی۔" سحر اور امروز تپ کر باہر نکل گئی تھیں۔

"ایسا ہے تو ہم بھی دیکھ لیتے ہیں مس شانزہ کو۔" وہ مسکرا کر تیار ہونے چل دیا۔

"اوہوں اوں بندہ سلام عرض کرتا ہے۔" آدرش نے کھنکار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ ایک ہی نظر میں اسے پہچان گیا تھا۔

"سوری میں نے پہچانا نہیں آپ کو۔"

"بندہ ناچیز نے کراچی سے لاہور تک کا وہ بور ترین سفر آپ کے ساتھ کیا تھا۔"

"اوہ آئی سی۔" اسے گویا یاد آگیا تھا۔ "سوری میں صرف یاد رکھے جانے کے قابل لوگوں کو یاد رکھتی ہوں۔" شانزہ یہ کہہ کر چلی گئی۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ سادہ سے سوٹ میں بغیر میک اپ کے وہ سب سے زیادہ منفرد لگ رہی تھی، آدرش کو اس کی یہی ادا تو بھائی تھی۔ اس کی ڈیمانڈ ایسی ہی لڑکی تھی۔ ریزرو رہنے والی، سادہ، دلکش اور تھوڑی مغرور، وہ عام لڑکیوں کی طرح نہیں تھی اس کے دل نے اسے سب سے اونچی مسند پر بٹھا دیا تھا۔ وہ لبوں پر دھیما سا تبسم سجائے مہمانوں کو ریسیو کر رہی تھی۔ آدرش کی نگاہیں اسی کے گرد منڈلاتی رہی تھیں۔ یہ شاید اس کی نظروں کے ارتکاز کا اثر تھا کہ یکلخت شانزہ نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ نظریں ملنے پر ایک دلفریب سی مسکراہٹ آدرش ربانی کے لبوں پر بکھر گئی۔ وہ تیوری چڑھا کر رخ پھیر گئی۔

"ہیلو کیسی ہیں آپ؟" کاشان کے کہنے پر وہ تینوں چونکیں۔

"سحر! یہ...... یہ وہی اسمگلر......" امروز نے سرگوشی کی۔

"جی کیا کہا آپ نے؟"

"وہ کچھ نہیں۔ آپ سنائیں کیسے ہیں؟" انعم نے بات سنبھالی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں اگر زحمت نہ ہو تو آپ لوگ اپنا تعارف کروا دیجیے۔"

"جی مجھے انعم کہتے ہیں۔" انعم کی باچھیں کھل گئیں۔

"کون...... کہتے ہیں۔" وہ شرارت سے گویا ہوا۔

"سبھی کہتے ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"اور آپ؟" وہ اب سحر سے مخاطب تھا۔

"ہونہہ ایڈیٹ۔" وہ بڑبڑائی مگر کاشان نے سن لیا۔

"انٹرسٹنگ کافی ڈیفرنٹ نام ہے آپ کا اور آپ؟" وہ امروز کی طرف متوجہ ہوگیا سحر سلگ کر رہ گئی۔

"امروز۔"

"گڈ پریٹی نیم۔ ویسے آپ تینوں بہنیں ہیں کیا؟"

"مسٹر! آپ کو یہاں مہمانوں کے انٹرویو کے لیے بلایا گیا ہے۔" سحر تپ کر گویا ہوئی تو وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"کچھ ایسا ہی سمجھ لیجیے۔ بائی دی وے مس ایڈیٹ......"

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر چلائی۔

"آپ نے یہی نام تو بتایا تھا۔" وہ معصوم سا بن گیا جس پر سحر کو مزید غصہ آگیا۔

"نہایت ہی فضول واقع ہوئے ہیں آپ۔" وہ پیر پٹختے ہوئے چلی گئی۔ کاشان مسکرا کر اپنے دوستوں کی طرف بڑھ گیا جو قریب ہی کھڑے تھے۔

☆......☆......☆

"یہ...... یہ......" وہ ہکلا گئی۔ اسے ایک لمحہ لگا تھا پہچاننے میں۔

"آؤ باہر چل کر بیٹھتے ہیں۔" منصور صاحب کی ہمراہی میں وہ باہر چلی آئی۔ وہ ابھی تک ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں تھی۔ یہ تو وہی تھا جس نے اس رات اسے اپنے گھر میں پناہ دی تھی مگر یہ تو ملتان میں تھا پھر یہاں لاہور میں...... وہ الجھ سی گئی تھی۔

"مجھے اعیان کی ہی دیکھ بھال کے لیے ایک ایسی عورت کی ضرورت تھی جو نہ صرف پُراعتماد ہو بلکہ ذہین بھی ہو۔ میں نے بہت سے مرد ملازم رکھے مگر وہ لوگ اس کی دیکھ بھال اس طرح نہیں کر سکتے تھے جیسا کہ ایک عورت کر سکتی ہے۔"

"مم...... مگر......" وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔

"پہلے میری بات سن لو۔ یہ تیرہ چودہ برس کا تھا جب اس کی ماں اسے اور مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ اس نے مجھ سے خلع لے لی۔ ماں کی جدائی نے اسے چڑچڑا سا بنا دیا تھا۔ ایک سال پہلے یہ بزنس کے سلسلے میں ملتان گیا وہیں اسے غزالہ پسند آگئی میں خوش تھا کہ میرے بیٹے کی تنہا زندگی اب خوشیوں سے بھر جائے گی۔ اعیان جنون کی حد تک اسے چاہنے لگا تھا۔ مگر وہ...... وہ بے وفا نکلی اعیان سے سب کچھ ہتھیا کر اپنے کسی کزن کے ساتھ چلی گئی۔ اس نے طلاق لے لی یوں چند ماہ بعد ہی وہ اس کی زندگی سے بھی نکل گئی۔ اس واقعہ کے بعد اس کا عورت ذات پر سے اعتبار اٹھ گیا وہ یہ سمجھنے لگا کہ ہر عورت بے وفا ہوتی ہے۔ بالکل نفسیاتی مریض بن گیا تھا۔ چند ماہ پہلے کار ایکسیڈنٹ میں اس کے دماغ پر خاصی گہری چوٹ آئی تھی ڈاکٹرز کے مطابق اس کے دماغ کے حصے پر کافی چوٹ آئی ہے جس سے یہ اپنی یادداشت کھو چکا ہے۔ ریٹرو گیڈ ایمنیسیا (Retrogade Amnesia) ایسی بیماری ہے جس میں انسان یادداشت کھو بیٹھتا ہے۔ کبھی بھی اسے کوئی پرانی بات یاد آ بھی جائے تو اس کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کا علاج ہو رہا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اس کو ایک ایسے ساتھی کی بھی ضرورت ہے جو نہ صرف اس کی ضروریات کا خیال رکھے بلکہ اس کی مینٹل ایکسرسائز بھی کروائے جو صرف ایک پُرخلوص جذباتی تعلق سے ممکن ہے۔ میرے خیال میں کوئی عورت ہی اس کا بہتر خیال رکھ سکتی ہے اسی لیے میں نے اخبار میں اشتہار دیا تھا۔"

"مگر سر...... میں بھلا کس طرح ان کا خیال رکھ سکتی ہوں میرا مطلب ہے۔"

"دیکھو رمل بیٹی! اسے تم میری خوش فہمی کہہ لو یا خود اعتمادی کہ میری نگاہیں جوہر شناس ہیں، مجھے تم میں وہ خصوصیت نظر آئی جو کسی اور لڑکی میں نہیں تھی۔ مجھے لگا کہ تم ہی وہ لڑکی ہو جو میرے گھر اور میرے بیٹے کو سنبھال سکتی ہو۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن......"

"کیا تمہاری فیملی کو اعتراض ہوگا؟"

"شاید۔" وہ یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ لاوارث تھی۔

"مگر تمہاری سی وی میں تو لکھا تھا کہ تم ہاسٹل میں رہتی ہو۔" منصور صاحب خاصے ذہین آدمی تھے وہ گڑبڑا گئی۔

"ج...... جی......" اسے لگا وہ ان کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکے گی۔ "دراصل میری کوئی فیملی نہیں ہے، پیرنٹس کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"آئی سی۔" وہ ایک لمحے کو خاموش رہ گئے۔ "میرا خیال ہے رمل مجھے ایسی ہی لڑکی کی تلاش تھی جو پوری توجہ سے کام کر سکے۔ یہاں انیکسی میں تمہاری رہائش ہوگی، تنخواہ اس کے علاوہ ہوگی۔ پلیز انکار مت کرنا۔ مجھ سے اپنے جوان بیٹے کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔" رمل کا دل پسیج گیا۔ آخر وہ اس کا مسیحا تھا اسی طرح ہی اس کے احسان کا بدلہ اتارا جا سکتا تھا۔

"سر! آپ بالکل بے فکر ہو جائیے میں اعیان صاحب کا پورا خیال رکھوں گی۔" رمل کے کہنے پر منصور صاحب مسکرا دیے۔

☆......☆......☆

عدیم اور بریہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ ربانی ولا میں ہمہ وقت ایک میلے کا سا سماں رہتا تھا۔ بازاروں کے چکر پر چکر لگ رہے تھے۔ انعم نے بھی ہفتہ بھر پہلے ہی سے وہاں ڈیرہ جما رکھا تھا۔ سحر، امروز وغیرہ شانزہ کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لاتی تھیں۔ اگرچہ شانزہ کو اس تمام ہنگامے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر پھر بھی وہ ان کا دل رکھنے کی خاطر آ جاتی تھی۔ ثمروز کو جانے کیوں شانزہ کا وجود بُری طرح کھٹکتا تھا۔ وجہ شاید آدرش کا شانزہ کو اہمیت دینا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ سب سے زیادہ حسین نظر آئے بلاشبہ ربانی ولا کے مکین حسن و جمال میں یکتا تھے مگر جو بات آدرش میں تھی، وہ شاید کسی اور میں نہ تھی۔ اونچا لمبا قد، کسرتی بدن، فراخ سینہ، گہری سیاہ آنکھیں اور خوب صورت ہیئر کٹ، وہ ہر طرح سے بھرپور مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا۔ وہ ہمیشہ، ہر جگہ ممتاز نظر آتا تھا۔ اس کی شخصیت میں ایسا سحر تھا کہ ایک بار دیکھنے والا بار بار دیکھنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ ثمروز اس کے عشق میں پور پور ڈوب چکی تھی مگر اب شانزہ کا یوں درمیان میں آ جانا اسے ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔ مہندی والے دن سب لڑکیاں ایک سے بڑھ کر ایک لگ رہی تھیں۔ شانزہ کے نہ نہ کرنے کے باوجود سحر اور امروز نے اسے زبردستی تیار کر دیا تھا۔ چوڑی دار پائجامہ، کرتا اور کھسہ، لمبے سیاہ بالوں میں سوٹ کے ساتھ کا میچنگ پراندہ ڈال رکھا تھا۔ بے حد سوفٹ میک اپ نے اس کے چہرے کے نقوش میں مزید نکھار پیدا کر دیا تھا۔ اس کی تیاری میں بھی ایک سادگی تھی، جو اسے سب سے منفرد اور ممتاز کر رہی تھی۔ سفید شلوار اور ایش گرے راسلک کے کرتے میں آدرش محفل کی جان بنا ہوا تھا۔

"کیسی ہیں آپ؟" شانزہ کو نسبتاً تنہا گوشے میں بیٹھا دیکھ کر وہ وہیں چلا آیا۔ شانزہ نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی۔ آدرش نے اکثر اس کی نگاہوں میں اپنے لیے عجیب سا احساس ہلکورے لیتے دیکھا تھا۔

"آپ مجھ سے اتنا کتراتی کیوں ہیں؟" کوئی جواب نہ پا کر وہ دوبارہ گویا ہوا۔

"غلط فہمی ہے آپ کی۔ میرا رویہ ہر اجنبی کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"میرا خیال ہے تین چار ملاقاتوں کے بعد کوئی بھی اجنبی نہیں رہ سکتا۔"

"اس معاملے میں میرا فلسفہ کچھ اور ہی ہے۔"

"اچھا! تو کیا کہتا ہے آپ کا فلسفہ؟"

"میں اپنا فلسفہ صرف اپنے تک ہی محدود رکھا کرتی ہوں۔"

"یہ کچھ عجیب سی بات نہیں لگتی۔"

"اور یہ بھی کچھ عجیب سی بات ہے کہ آپ خواہ مخواہ مجھ سے بے تکلف ہو رہے ہیں۔" وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ آدرش کے لبوں پر ایک ناقابل فہم سا تبسم بکھر گیا۔

لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان گانوں کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ ایک اودھم سا مچا ہوا تھا۔

"اچھی لگ رہی ہیں۔" کاشان نے سحر کے قریب سرگوشی کی۔

"جی؟" وہ کڑے تیوروں سے اسے گھورنے لگی۔

"میرا مطلب ہے سب لڑکیاں اچھی لگ رہی ہیں۔" وہ شرارت سے بات بدل گیا۔ سحر نے منہ بنا کر رخ پھیر لیا۔

"ویسے میرے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟" اس کے کہنے پر سحر نے ایک نظر وائٹ کرتے شلوار میں ملبوس، گلے میں پیلا چنری والا پٹکا ڈالے کاشان پر ڈالی وہ خاصا ہینڈسم لگ رہا تھا۔

"لگتا ہے اپنے بارے میں آپ خاصی خوش فہمی کا شکار ہیں۔"

"یہ خوش فہمی بھی ابھی ابھی کسی کی نگاہوں کی توصیف سے حقیقت میں بدل گئی ہے۔" کاشان کے کہنے پر سحر نہ چاہتے ہوئے بھی جھینپ گئی تھی۔

☆......☆......☆

"کون ہو تم اور یہاں میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟" اعیان کی غصیلی آواز پر وہ یکلخت پلٹی تھی۔

"ک...... کام کر رہی ہوں۔" وہ رائٹنگ ٹیبل پر پڑی کتابیں خواہ مخواہ درست کرنے لگی۔ دل سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔

"کس کی اجازت سے آئی ہو یہاں؟"

"م...... منصور صاحب کی اجازت سے۔"

"چلی جاؤ تم یہاں سے، گیٹ لاسٹ۔" وہ دھاڑا تو رمل سہم کر باہر نکل آئی۔ منصور صاحب آفس جا چکے تھے، وہ ہاسٹل سے اپنا سارا سامان لے کر انیکسی میں شفٹ ہو گئی تھی۔ اس نے ٹھان لی تھی کہ اعیان کا بھرپور خیال رکھنا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ دودھ کا گلاس لے کر اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ رائٹنگ ٹیبل پر جھکا شاید کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔

"دودھ۔" اس نے ٹیبل پر گلاس رکھا۔

"کس کے لیے؟" اعیان نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔

"آپ کے لیے۔"

"میں نے کب کہا؟"

"میں...... خود لائی ہوں۔"

"آخر کس لیے؟"

"میں آپ کی خدمت کے لیے مامور کی گئی ہوں۔ آپ کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔"

"نہیں چاہیے مجھے تمہارا فرض۔ چلی جاؤ یہاں سے نفرت ہے مجھے تم سے۔ سب...... سب عورتیں بے وفا ہوتی ہیں۔ چلی جاؤ۔" وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ وہ شاید دورے کے زیر اثر تھا۔ رمل تیزی سے اس کی طرف لپکی۔

"چلی جاؤ۔" اعیان نے اسے دھکا دیا تو وہ دور جا گری۔

"رحیم، رحیم جلدی آؤ۔" اس نے فوراً ملازم کو آواز دی۔ رحیم کی مدد سے اعیان کو بیڈ پر لٹایا، اسے وہ دوا میں دیں جو ان دوروں کے دوران دی جاتی تھیں، کچھ ہی دیر میں وہ پُرسکون ہو کر سو گیا تھا۔ رمل کافی دیر تاسف میں گھری اس لمبے چوڑے، خوبرو مرد کو دیکھے گئی وہ کس قدر بے بس تھا اور منصور صاحب...... ان کے دل پر کیا بیتی ہوگی، جوان بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر۔ وہ کچن میں چلی آئی۔ خانساماں کو کھانا بنانے کی چند ہدایات دے کر وہ ملازمہ کے ساتھ مل کر صفائی کروانے لگی۔ اس گھر میں نوکروں کی ایک فوج تھی گویا۔ خانساماں، مالی، چوکیدار، ڈرائیور، صفائی کے لیے ملازمہ اور اوپر کے کاموں کے لیے رحیم بخش۔ گھر میں کوئی عورت نہ ہونے کی وجہ سے گھر خاصی ابتر حالت میں تھا۔ کوئی نظم و ضبط نہ تھا، منصور صاحب آفس چلے جاتے تھے، نوکروں کو کھلی چھوٹ ملی ہوئی تھی۔ اس نے اعیان کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ گھر کا چارج بھی سنبھال لیا تھا۔ منصور صاحب اس تبدیلی پر خاصے خوش ہوئے تھے، اس روز منصور صاحب آفس سے لوٹے تو ایک نو دس سالہ بچہ بھی ان کے ہمراہ تھا۔

"رمل، یہ مائب ہے میرا پوتا۔" منصور صاحب نے تعارف کروایا۔ "اور موبی! یہ آپ کی نئی ٹیچر ہیں۔"

"ہیلو مس۔" مائب نے اپنا ننھا منا سا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا، جسے اس نے مسکراتے ہوئے تھام لیا۔

"رمل! آپ کو اس سے بھی شکایت نہیں ہوگی بہت

ذہین بچہ ہے۔''

''بیٹا! آپ کون سی کلاس میں پڑھتے ہیں؟'' وہ اب مائب سے پوچھ رہی تھی۔

''کلاس فورتھ میں۔''

''گڈ۔''

''بابا! میں اپنے برڈز دیکھ کر ابھی آیا۔'' وہ باہر کی طرف دوڑ گیا۔ منصور صاحب مسکراتے ہوئے اسے دیکھتے رہے' پھر رمل کی طرف متوجہ ہوئے۔

''موبی مجھے اعیان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔''

''سر! کیا اسے معلوم ہے اعیان کے بارے میں..... آئی مین اپنے فادر کے بارے میں۔''

''اعیان! فادر..... ہا۔'' وہ دھیرے سے ہنسے۔ ایک زخمی سی مسکراہٹ تھی' جس میں سوگواریت گھلی تھی۔ ''یہ اعیان کا بیٹا نہیں ہے۔''

''جی۔''

''اعیان کی شادی تو صرف چند ماہ قائم رہی تھی' موبی میرے بڑے بیٹے ریحان کا بیٹا ہے۔''

''ریحان!''

''ریحان' اعیان سے پانچ برس بڑا تھا۔ اس کی شادی بڑی دھوم دھام سے میں نے اپنے ایک دوست کی بھانجی سے کی تھی۔ ندا بہت اچھی' ملنسار اور خوش گفتار لڑکی تھی۔ بہت تھوڑے ہی عرصے میں اس نے ہم سب کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ یہ گھر جو برسوں سے عورت کے وجود سے محروم تھا' ایک بار پھر آباد ہوگیا تھا۔ مگر..... شاید اس گھر کی تقدیر میں خوشیاں ہیں ہی نہیں۔ ریحان اور ندا آؤٹنگ کی غرض سے یورپ کے ٹور پر گئے تھے مائب ان دنوں کلاس ون میں پڑھتا تھا' وہ میرے ساتھ اس قدر اٹیچ تھا کہ اس نے ماں باپ کے ساتھ جانے سے انکار کردیا۔ گلاسکو میں ان دونوں کی ایک کار ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی۔'' منصور صاحب کی آواز بھرا گئی۔

''اوہ..... بے چارے کتنے دکھی ہیں۔'' منصور صاحب کی حالت پر وہ بھی آبدیدہ ہوگئی۔ جوان بیٹے اور بہو کی موت کا غم کیا کم تھا کہ اب دوسرے بیٹے کی ایسی حالت نے تو ان کی کمر ہی توڑ کر رکھ دی تھی۔ اور مائب..... وہ چھوٹا سا معصوم بچہ' جو اتنی کم عمری میں ماں باپ کی شفقت سے محروم ہوگیا تھا۔ رمل کا دل گداز ہونے لگا۔

''اعیان کی حالت کے پیش نظر میں نے موبی کو ہاسٹل بھجوادیا تھا مگر اب مجھے لگتا ہے کہ ایسا کر کے میں اس بچے پر ظلم کررہا ہوں۔ اسی لیے یہ اب یہیں رہے گا۔ تم نے کہا تھا بیٹی کہ تم ٹیچر رہ چکی ہو اس لیے موبی کو پڑھانے کی ذمہ داری بھی اب تمہاری ہے۔ تم بھی کہتی ہوگی کہ کیسا خود غرض شخص ہے..... مگر پتا نہیں کیوں مجھے تم میں اپنائیت سی محسوس ہوتی ہے۔''

''یہ تو آپ کی بڑائی ہے سر کہ آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں' آپ فکر نہ کریں سر۔ موبی اب میری ذمہ داری ہے۔'' وہ دھیرے سے مسکرائی تو منصور خان پُرسکون ہوگئے۔ چند ہی دنوں میں مائب اس کے ساتھ گھل مل گیا تھا۔ بچے تو پیار کے دو بولوں سے بہل جاتے ہیں اور وہ تو ویسے بھی محبتوں کو ترسا ہوا بچہ تھا۔ رمل کی آغوش میں اسے ممتا کی جھلک نظر آئی تھی۔

''چاچو! چلیں ناں کرکٹ کھیلتے ہیں۔'' وہ کافی دیر سے اعیان سے ضد کررہا تھا۔ اعیان کافی دیر تو بے زاری سے پہلو بدلتا رہا' پھر یکا یک چلا اٹھا۔

''میرا سر مت کھاؤ' چلے جاؤ یہاں سے۔'' موبی سہم گیا۔ اس نے کب دیکھا تھا اپنے ''سوئیٹ'' سے چاچو کا یہ روپ۔

''موبی! چلیں بیٹا' چاچو کو تنگ نہیں کرتے' آئیں میں آپ کو کمپیوٹر پر گیم لگادیتی ہوں۔'' رمل اسی لمحے آگئی تھی۔ موبی جلد ہی بہل گیا' وہ اعیان کے کمرے میں چلی آئی۔

''تم یہاں سے چلی کیوں نہیں جاتیں' کیوں ہر وقت میرے سر پر سوار رہتی ہو؟'' اسے دیکھتے ہی وہ چلا اٹھا تھا۔

''آپ کی خدمت میرا فرض ہے اور میں اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کرسکتی۔'' وہ نیچے قالین پر بکھرے کاغذ اٹھا کر ڈسٹ بن میں ڈالنے لگی۔

''مگر مجھے تم سے اپنی خدمت کروانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔''

''مگر مجھے تو ہے۔'' وہ اتنے عرصے میں خاصی بولڈ اور کانفیڈنٹ ہوچکی تھی۔ اعیان اسے کینہ توز نظروں سے گھور

رہا تھا۔
"لیجیے! آپ کی دوا کا وقت ہو گیا ہے۔" اس نے پانی کا گلاس اور گولیاں اس کی طرف بڑھائیں۔
"میں کیوں کھاؤں یہ؟"
"کیوں کہ یہ آپ کی صحت کے لیے ضروری ہے۔"
"تم...... تم بھی مجھے بیمار سمجھتی ہو۔" وہ ایک دم مشتعل ہو کر اس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔ "وہ...... وہ بھی مجھے بیمار سمجھتی تھی' کہتی تھی میں بیمار ہوں۔ میرا ذہن بیمار ہے۔" وہ اب اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ رل نے سہم کر اس کی طرف دیکھا' غیر ارادی طور پر وہ پیچھے ہوتی چلی گئی۔
"تم...... تم غزالہ ہو ناں۔" اعیان نے اسے شانوں سے تھام کر جھنجوڑ ڈالا۔
"نن...... نہیں میں غزالہ نہیں ہوں۔" وہ اٹکتے ہوئے گویا ہوئی۔
"تم جھوٹ بول رہی ہو۔"
"م...... میں جھوٹ نہیں بول رہی۔"
"پھر...... پھر یہاں میرے...... میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟ یہاں صرف غزالہ رہتی تھی' چلی جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔" اعیان نے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑا تو وہ لڑکھڑا کر دور ہوئی۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنی سانس بحال کرتی باہر دوڑ گئی۔
"مجھے محتاط ہو کر رہنا چاہیے۔" پانی پیتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

آدرش لائبریری میں داخل ہوا تو نظر سامنے بیٹھی شانزہ پر پڑی۔ من چاہا وجود نگاہوں کے سامنے تھا تو قدم خود بخود اس کی جانب اٹھنے لگے۔
"ہیلو! آپ اور یہاں؟" شانزہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ بلیک پینٹ اور بلیو شرٹ میں وہ خاصا نکھرا نکھرا لگ رہا تھا۔
"کیوں' کیا میں لائبریری نہیں آسکتی؟" تیکھے چتون سے اسے گھورا۔
"کیوں نہیں۔" وہ سر کے اشارے سے گویا اجازت طلب کرتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر وہیں بیٹھ گیا۔ "مگر وہ کیا ہے کہ آج کل لڑکیاں کتب خانوں کا رخ ذرا کم ہی کرتی ہیں۔"
"ان کو ایسا کرنے پر مجبور بھی آپ ہی جیسے لوگوں نے کیا ہے۔"
"مطلب کیا ہے آپ کا؟"
"میرا مطلب آپ بخوبی سمجھتے ہیں مسٹر ربانی۔" اس کا انداز نخوت بھرا تھا۔
"تو آپ یہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ......"
"جی ہاں۔ میں یہی کہنا چاہ رہی ہوں' جو آپ سمجھ رہے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "یہاں آنے والی لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے یہ اوچھے ہتھکنڈے اب پرانے ہو چکے ہیں۔"
"آپ میری انسلٹ کر رہی ہیں۔" وہ دھیمے مگر سخت لہجے میں بولا۔
"آپ ہیں ہی اسی قابل۔" وہ تنفر سے کہتی چلی گئی۔
آدرش کی پیشانی پر شکنوں کا جال بچھ گیا۔
"آخر اس لڑکی کو مجھ سے کیا پرخاش ہے۔ میں نے کیا بگاڑا ہے اس کا؟" وہ محض سوچ کر رہ گیا' سارا دن ڈسٹرب رہا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی' سرما کی اس سرد رات میں ہوا خاصی تیز چل رہی تھی۔ رات کے اس پہر جبکہ تقریباً پورا شہر نیند کی مہیب خاموشی میں ڈوبا تھا' وہ بڑا مضطرب سا تھا۔ وہ خاصا بے چین تھا۔ "آخر وہ مجھ سے اتنی متنفر کیوں ہے؟ کیا وہ مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھتی کہ میں دو گھڑی اس سے بات کر سکوں؟ میں اس کے گریز کو اس کی ریزرو نیچر پر محمول کرتا رہا جبکہ وہ...... اس کا دل میری نفرت سے سیاہ ہے۔ میں آدرش ربانی' لڑکیاں جس کی ایک نظر التفات کی خواہش مند ہوتی ہیں اور جس سے بات کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتی ہیں' اس لڑکی کے لیے کچھ بھی نہیں۔ اور یہ دل...... اس کی شدید نفرت کے باوجود بھی اس کا طلب گار ہوا ہے۔ آدرش ربانی! اتنے بے بس تو تم کبھی بھی نہ تھے۔" وہ اب بالکونی میں آ کھڑا ہوا۔ سرد ہوا کی تمازت سے بے نیاز وہ نظریں برابر والے گھر پر گاڑے کھڑا تھا۔ پورے وجود میں کچھ ایسی آگ بھڑک اٹھی تھی کہ موسم کی شدت کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔
"ہارنا تو کبھی آدرش ربانی نے سیکھا ہی نہیں۔ شانزہ ہمدانی' اب تو بس دو ہی راستے ہیں' تخت یا تختہ۔" اس کی سوچیں سفاکی کی جانب سفر کر رہی تھیں۔
عارش کے بیٹے کی پیدائش کی خوشی میں ایک پُروقار تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ہمدانی صاحب کے گھرانے سے اتنے قریبی مراسم ہو چکے تھے کہ وہ لوگ اب ایک ہی گھر کے افراد معلوم ہوتے تھے۔
"بندہ سلام عرض کرتا ہے۔" سحر جو کسی کام سے اندر جا رہی تھی' کاشان کے ایک دم سامنے آ جانے پر رک گئی۔
"وعلیکم السلام۔" وہ ذرا سا مسکرائی۔
"کیسی ہیں آپ؟" وہ پوچھ کر پھر خود ہی کہنے لگا۔ "ویسے یہ پوچھنے کی ضرورت تو نہیں ہے' کیوں کہ آپ بہت خوب صورت ہیں۔" اس کی بات پر سحر نہ چاہتے ہوئے بھی سرخ پڑ گئی۔
"پلیز......" وہ آگے بڑھی۔
"آں آں۔ پہلے ایک بات بتائیے۔"
"جی؟"
"میں آپ کو کیسا لگتا ہوں؟"
"ہیں۔ یہ بھلا پوچھنے والی بات ہے۔" وہ حیران ہوئی۔
"اوہ تھینک گاڈ۔" وہ مسکرایا۔ "یعنی کہ میں آپ کو بھی اسمارٹ ہینڈسم ڈشنگ اور چارمنگ نظر آتا ہوں۔"
"خوش فہمی! کبھی شکل دیکھی ہے آپ نے آئینے میں؟"
"یہاں آپ کسر نفسی سے کام لے رہی ہیں' میں خوش فہم نہیں حقیقت پسند ہوں۔"
"اُفوہ! فضول باتوں میں لگا دیا' مجھے تو امی نے اندر سے مٹھائی لانے کو کہا تھا۔" وہ سر پر ہاتھ مار کر بولی۔
"سحر۔" کیسا گمبھیر لہجہ تھا۔ اس کے قدم ایک لمحے کو تھم گئے۔ "کل امی ابو آپ کے گھر آئیں گے۔"
"وہ کیوں؟"
"کیوں کہ ان کے ہونہار اور لائق فائق بیٹے نے آفس جانا شروع کر دیا ہے۔" اس کی معنی خیز بات پر وہ شپٹا کر اندر بھاگ گئی۔ ایک دلفریب مسکراہٹ کاشان کے لبوں کو چھو گئی۔
پارٹی کے اختتام پر محفل موسیقی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وسیع و عریض ہال کمرے میں دبیز قالینوں پر کشن اور گاؤ تکیے سلیقے سے رکھے گئے تھے۔ ویٹرز سب کو کافی اور ڈرائی فروٹ سرو کر رہے تھے۔ کافی خوش گوار ماحول تھا' سب لوگ انجوائے کر رہے تھے۔ ایسے میں شانزہ ایک کونے میں الگ تھلگ بیٹھی تھی' کافی کا مگ ہاتھ میں لیے وہ پوری طرح غزل سننے میں محو تھی۔

نیت شوق بھر نہ جائے کہیں
تو بھی دل سے اتر نہ جائے کہیں
آج دیکھا ہے تجھ کو دیر کے بعد
آج کا دن گزر نہ جائے کہیں

وہ غزل سننے میں اس قدر محو تھی کہ اسے پتا ہی نہ چلا کب آدرش اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔
"لگتا ہے آپ کو یہ غزل بے حد پسند ہے۔" شانزہ نے چونک کر دیکھا تو آدرش کو دیکھتے ہی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ وہ بنا کوئی جواب دیے پھر سے مغنیہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"شانزہ! آپ نے کبھی محبت کی ہے؟" آدرش کے پوچھنے پر اس نے تیکھے چتون سے اسے گھورا۔
"اس قدر ذاتی سوال کرنے کا مقصد؟"
"اگر میں کہوں کہ میں نے کسی سے محبت کی ہے تو؟"
"یہ آپ مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟ مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"
"اس لیے بتا رہا ہوں کہ آپ کا تعلق ہے اس بات سے۔"
"کیا مطلب؟"
"مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے۔"
"ہا......" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ "ڈائیلاگ تو اچھے بول لیتے ہیں' خاصے ماہر کھلاڑی لگتے ہیں۔"
"شانزہ! میں ڈائیلاگ نہیں بول رہا۔" وہ تڑپ کر رہ گیا تھا۔
"پلیز مسٹر ربانی! اس بار آپ کا انتخاب غلط ہو گیا۔ مجھے آپ کی کسی بھی بات نے متاثر نہیں کیا۔" آدرش تو اس کے الفاظ میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ وہ اٹھ کر چلا گیا۔ وہ پھر سے غزل

کی طرف متوجہ ہوگئی۔

نیت شوق بھر نہ جائے کہیں
آرزو ہے کہ تو یہاں آئے
اور پھر عمر بھر نہ جائے کہیں

غزل سننے میں اب لطف نہیں آرہا تھا مگر وہ غائب دماغی کے عالم میں وہاں بیٹھی رہی۔

☆.....☆.....☆

مائب رمل کے ساتھ بہت جلد گھل مل گیا تھا۔ وہ تھا ہی اتنا کیوٹ سا بچہ کہ رمل کو خود بھی وہ بے حد اچھا لگتا تھا۔ اسکول سے واپسی پر وہ اس کو کھانا کھلاتی' شام کو ہوم ورک کراتی' اس کی ہر ضرورت' ہر چیز کا خیال رکھتی۔ اسے لے کر اکثر باہر گھومنے بھی جایا کرتی۔ وہ ممتا کو ترسا ہوا بچہ رمل کے وجود میں ماں کی آغوش کی جھلک دیکھتا تھا۔ رات کو وہ سوتا بھی رمل کے ساتھ ہی تھا منصور صاحب رمل سے بہت متاثر تھے کتنی بے غرض تھی وہ محبتوں کے معاملے میں' کس قدر جانفشانی سے وہ اپنی ڈیوٹی سنبھالے ہوئے تھی۔

''اس گھر کو ایسی ہی عورت کی ضرورت ہے۔'' وہ اکثر سوچتے' ان کی سوچوں کا دھارا اب مختلف سمت کو بہنے لگا تھا۔ رمل کو وہ کسی اور روپ میں دیکھ رہے تھے۔

''اگر ایسا ہو جائے تو کتنا اچھا ہو' مائب کو ماں مل جائے گی اور میرے بیٹے کی زندگی سنور جائے گی۔'' جب سے رمل نے اعیان کی دیکھ بھال شروع کی تھی اس کی حالت خاصی بہتر ہونے لگی تھی۔ ڈاکٹرز خاصے پُرامید نظر آنے لگے تھے۔

''رمل! بیٹا میں چند روز کے لیے مردان جا رہا ہوں۔ مائب کا خیال رکھنا' چیک بک میں تمہیں دے جاؤں گا۔''

''مردان؟ میرے بابا بھی وہیں کے رہنے والے تھے۔''

''اچھا تم نے کبھی بتایا نہیں اپنے بارے میں۔''

''کیا بتاؤں سر آپ کو؟'' وہ آزردہ ہوگئی۔

''رمل! تم اتنے دنوں سے اس گھر میں ہو بالکل ہمارے گھر کی فرد بن چکی ہو مجھے غیر مت سمجھو۔'' اور پھر اس نے منصور صاحب کو سب کچھ بتا دیا۔

''تمہارے والدین کے گھر والوں نے کبھی رابطہ نہیں کیا؟''

''نہیں۔ میری امی کا تو سارا خاندان یہیں لاہور میں ہے انہوں نے رابطہ کیا نہ امی نے کبھی ملنے کی کوشش کی۔ ابو مردان سے آئے تھے اور تھے بھی والدین کے اکلوتے' میری دادی تو بہت پہلے وفات پاگئی تھیں جبکہ دادا کا انتقال ابو کی شادی کے چند ماہ بعد ہوا۔ دادا نے امی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا' اس لیے ابو کے باقی خاندان نے بھی ان سے قطع تعلق کر لیا تھا۔''

''محمود خان' یہی نام بتایا ہے ناں تم نے اپنے والد کا؟''

''جی' کیا آپ جانتے ہیں ابو کو؟''

''ہوں' کچھ کچھ اندازہ تو ہو رہا ہے مجھے۔ مگر ابھی میں پورے یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''آنٹی' میرے ساتھ کرکٹ کھیلیں ناں۔ آپ نے پرامس کیا تھا۔'' مائب بیٹ اٹھائے چلا آیا۔

''ہاں بھئی' ہمیں اپنا پرامس یاد ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی' منصور خان مائب اور رمل کو باہر جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

وہ حسب معمول فجر کی نماز پڑھنے کے بعد لان میں ٹھنڈی گھاس پر ننگے پیر واک کر رہی تھی' بادِ صبا کا لطف ہی کچھ اور تھا۔ وہ چلتے چلتے واپس مڑی تو ٹھٹک گئی' اعیان جانے کب سے وہاں کھڑا تھا۔ اسے احساس تک نہیں ہوا تھا اس کے آنے کا۔

''اوہ آپ یہاں۔''

''کیوں' کیا میں لان میں نہیں آسکتا؟'' وہی کھردرا سا لہجہ۔

''نہیں۔ میرا مطلب تھا اتنی صبح آپ......''

''کیا میرے صبح جلد اٹھنے پر پابندی ہے؟''

''نہیں تو......'' وہ گڑبڑا گئی۔ ''م...... میں آپ کے لیے جوس لاتی ہوں۔'' وہ اعیان کی نظروں سے گھبرانے لگی تھی۔ چند روز سے وہ اپنے اندر عجیب سی تبدیلیاں محسوس کر رہی تھی اور قصداً ان سے گریز برتتے ہوئے تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ آگہی کے در وا ہوں اور زندگی مزید کٹھن ہو جائے۔ جانتی تھی کہ یہ آگ اور پیٹرول کا کھیل ہے۔

''سنو' تم میری اتنی پروا کیوں کرتی ہو؟'' وہ اس کے مقابل کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''میں...... میرے فرائض میں شامل ہے......''

''اوہ' میں تو سمجھا تھا کہ تم مجھ سے...... مگر نہیں...... وہ بھی یہی کہتی تھی مگر...... سب عورتیں بے وفا ہوتی ہیں' تم بھی ویسی ہی ہو۔ آئی ہیٹ یو' گیٹ لاسٹ۔'' وہ ایک دم غصے میں آگیا تھا' رمل سہم کر دور ہٹی تھی۔

منصور خان مردان جاچکے تھے۔ اعیان کا چیک اپ باقاعدگی سے ہو رہا تھا۔ وہ پہلے سے کافی بہتر ہو چکا تھا۔ ڈاکٹرز اس کی پروگریس سے خاصے حیران تھے' کبھی کبھار وہ آؤٹ آف کنٹرول ہو جاتا تھا اور ایسے میں رمل بُری طرح سہم جاتی تھی۔ غزالہ کا ذکر سن کر اس پر وحشت سی طاری ہو جاتی تھی۔

رمل نے اس کے کمرے میں قدم رکھا تو وہ ہاتھ میں کوئی تصویر لیے نگاہیں اسی پر مرکوز کیے بیٹھا تھا۔

''سر! یہ جوس لے لیں۔'' مگر وہ پھر بھی متوجہ نہیں ہوا تھا۔ رمل نے دیکھا وہ تصویر کسی لڑکی کی تھی۔

''سر۔'' اس نے دوبارہ پکارا تو وہ چونکا۔ کچھ دیر اسے گھورتا رہا' رمل اس کی نگاہوں سے چھلکتی وحشت سے سہم گئی۔

''تم غزالہ ہو ناں۔'' اس لمحے کتنا قابل رحم لگ رہا تھا وہ۔ رمل کو حقیقتاً دکھ ہوا تھا۔ اگلا لمحہ بے حد حیرت کا تھا' اعیان نے ہاتھ مار کر اس کے ہاتھ سے جوس کا گلاس گرا دیا تھا۔

''مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔'' اعیان نے اسے شانوں سے تھام لیا۔

''م...... میں غزالہ نہیں ہوں۔'' وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بمشکل گویا ہوئی۔

''جھوٹ بولتی ہو تم۔'' اعیان کا بھاری ہاتھ اس کے گال پر نشان ثبت کر گیا۔ وہ لڑکھڑا کر صوفے پر گری تھی۔

''میں نے کہا تھا ناں کہ تمہیں ایک دن واپس آنا ہوگا۔'' وہ اس پر جھکا۔ رمل بُری طرح وحشت زدہ ہوگئی۔ اعیان کو کنٹرول کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔

''خدا کے لیے مجھے چھوڑ دیں میں غزالہ نہیں ہوں۔'' مگر اعیان پر تو وحشت سوار تھی۔ رمل لرز کر رہ گئی' آنسوؤں کا ایک ریلا سا تھا جو بہے چلا جا رہا تھا۔

''اعیان۔'' اسی لمحے منصور خان اندر داخل ہوئے تو ایک جھٹکا لگا' بجلی کی سی تیزی سے انہوں نے روتی بلکتی رمل کو اس کے شکنجے سے آزاد کروایا۔ رمل منہ پر ہاتھ رکھ کر روتے ہوئے باہر بھاگ گئی۔

☆.....☆.....☆

اویس ہمدانی اور نورین بیگم کاشان کے لیے سحر کا پرپوزل لائے تھے۔ رشتہ ہر طرح سے معقول تھا' انکار کا کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ پھر سحر کی خوشی بھی دیدنی تھی' انعم اور امروز نے اسے حسنی اور عیسٰی کے خطاب دیئے تھے۔

''شانزے! اگر ان لوگوں نے انکار کر دیا تو کیا ہوگا؟'' کاشان خاصا بے چین تھا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' میرا بھائی تو لاکھوں میں ایک ہے۔''

''اوفوہ' بھئی لوگ آج کل کروڑوں میں ایک کو مشکل سے رشتہ دیتے ہیں' لاکھوں میں ایک کو کون پوچھے گا؟''

''تم کیوں ٹینشن لے رہے ہو' وہ انکار نہیں کریں گے۔''

''اگر مجھے سحر نہ ملی تو میں جی نہیں پاؤں گا۔''

''خدا نہ کرے' کیسی باتیں کر رہے ہو شان۔ اتنے جذباتی تو تم کبھی نہ تھے۔''

''اب ہوگیا ہوں ناں' تم دعا کرو پلیز۔''

''پاگل۔'' وہ بھائی کی دیوانگی پر مسکرا دی۔ اسی لمحے نورین اور اویس صاحب آگئے۔

''کیا ہوا پاپا؟'' شانزہ نے دریافت کیا۔

''اُن لوگوں نے سوچنے کے لیے وقت مانگا ہے۔''

''اوفوہ' اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ کیا وہ ہمیں جانتے نہیں؟'' وہ جھلائی۔

''نیم رضامند تو لگ رہے تھے وہ مگر بیٹی والے ہیں' پہلی ہی بار کون ہاں کہتا ہے۔'' نورین بیگم کی بات پر وہ خاموش ہوگئی جبکہ کاشان مطمئن ہوگیا۔

آدرش نے یہ شرط رکھ دی تھی کہ سحر کا رشتہ کاشان سے ہوگا تو اس کا رشتہ بھی شانزہ سے طے ہوگا۔ شانزہ نے سنا تو سنگ کر رہ گئی۔

''آدرش ربانی! تم تو میرے اندازے سے بھی زیادہ مکار نکلے۔'' وہ زہرخند ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوا تھا کہ نہ اُگل سکتی تھی نہ نگل سکتی تھی۔ ایک طرف بھائی کی

خوشیاں تھیں تو دوسری جانب اپنی قربانی۔ اس نے خود آدرش ربانی سے بات کرنے کا سوچا۔

"مجھے آدرش ربانی سے بات کرنی ہے۔"

"جی بول رہا ہوں۔"

"میں شانزہ ہمدانی۔"

"زہے نصیب، کیسے کیسے یاد کیا؟"

"وہ... مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔"

"ضروری بات، وہ بھی مجھ سے؟" وہ حیران ہونے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

"آپ پلیز اپنی شرط ختم کر دیں۔"

"کون سی شرط؟" وہ انجان بن گیا۔

"اتنے معصوم نہیں ہیں آپ، آپ خوب سمجھتے ہیں جو میں کہہ رہی ہوں۔" وہ چڑ گئی۔

"دیکھیے میں نے تو صرف پروپوز کیا ہے، انکار یا اقرار کا حق تو آپ کے پاس محفوظ ہے۔"

"حق؟ آپ خواہ مخواہ کسی دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"کیسی مجبوری؟ میں نے تو کسی کو مجبور نہیں کیا۔" وہ اس کی بے بسی سے جی بھر کر محظوظ ہوا تھا۔

"میں زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتی، آپ انکار کر دیں۔ یہ آپ کے اور میرے دونوں کے حق میں بہتر ہوگا۔"

"آپ خود کیوں نہیں کر دیتیں انکار؟"

"میں مجبور ہوں۔"

"مجبور ہاہاہا... ویری اسٹرینج۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا، اگر وہ سامنے ہوتا تو شاید شانزہ اس کا منہ نوچ لیتی۔

"دیکھیں شانزہ جی! میں اپنی بات سے پھرنے کا قائل نہیں۔ آپ نے ناحق زحمت کی۔" اس کے کہنے پر شانزہ نے ریسیور پٹخ دیا۔ اس نے کئی بار سوچا کہ انکار کر دے مگر کاشان اتنا خوش تھا کہ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتی۔ آدرش ہر لحاظ سے بہترین تھا، نورین اور اویس ہمدانی تو بے حد خوش تھے۔

دونوں گھروں میں شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ جوں جوں شادی کے دن قریب آ رہے تھے شانزہ کا دل ڈوبتا جا رہا تھا اور بالآخر وہ دن بھی آ پہنچا۔ ایک ہفتے کے وقفے سے دونوں شادیاں طے کی گئیں۔ پہلے آدرش اور شانزہ کی شادی کی تاریخ رکھی گئی، سرخ زرتار لہنگے میں وہ زمانے بھر کا حسن سمیٹے ہوئے تھی۔ آدرش کی تو سج دھج ہی نرالی تھی، جس نے بھی دیکھا ان دونوں کی جوڑی کو سراہا۔

امروز، عاصمہ، بریہ وغیرہ شانزہ کو لے کر کمرے تک آئیں۔ آدرش بھی پیچھے ہی تھا۔

"ارے بھئی! تم لوگ میری بیگم کو لے کر کہاں بھاگی جا رہی ہو؟" وہ شرارت سے گویا ہوا۔

"فکر نہ کریں چھوٹے بھائی۔ ہم انہیں آپ ہی کے دیس چھوڑنے جا رہے ہیں۔" بریہ مسکرائی۔

"خیال رکھیے گا دیور جی! آپ کا دیس محفوظ تو ہے ناں؟" عاصمہ بھابھی نے شرارت سے کہا۔

"ہمارے دیس میں آنا آسان ہے پر یہاں سے فرار بہت مشکل ہے۔" وہ شانزہ پر نظریں جماتے ہوئے معنی خیزی سے گویا ہوا، شانزہ سلگ کر رہ گئی۔ سب کے جانے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوا، چہرے پر چھائی شگفتگی پل بھر میں معدوم ہو گئی تھی۔

"میں نے کہا تھا نا شانزہ بیگم کہ میں جو چاہتا ہوں حاصل کر لیتا ہوں۔" وہ شیروانی کے بٹن کھولتا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ "تم نے ہمیشہ میری تذلیل کی، میرے جذبوں کی توہین کی، مجھ سے دو گھڑی بات کرنا عذاب سمجھتی تھیں۔ آج میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ مجھ میں کون سی برائی دیکھ لی تھی تم نے کہ میرے سائے سے بھی گھبراتی تھیں؟" وہ دھیمے مگر سخت لہجے میں بول رہا تھا۔ آواز اونچی تھی نہ لہجہ بے ہنگم، مگر ایک کاٹ سی تھی لہجے میں جس سے شانزہ سہم سی گئی تھی۔

"آج تو ماشاء اللہ خاصی سعادت مند بنی بیٹھی ہو، زبان کہاں گئی تمہاری؟" آدرش نے دائیں ہاتھ سے اس کا چہرہ اونچا کیا تو ایک لمحے کو وہ دنگ رہ گیا، وہ حور شمائل تو اس کے ضبط کا امتحان بنی ہوئی تھی۔ ہمیشہ سادہ رہنے والی آج یوں سولہ سنگھار کر کے غضب ڈھا رہی تھی۔

"اپنی برائیوں سے تو آپ خود بخوبی واقف ہوں گے مسٹر آدرش ربانی۔" اس کا ازلی انداز لوٹ آیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے آدرش کا ہاتھ پرے کیا۔ آدرش اپنی اس توہین پر

سلگ کر رہ گیا۔

"تم آخر اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو؟" آدرش نے اس کی کلائی تھامی تو اس کی سسکی نکل گئی۔ اس نے مزاحمت کی تو وہ ہنس دیا۔

"آں آں! آج نہیں۔ آج صرف میں کہوں گا اور تم سنو گی۔" شانزہ بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگی، جانتی تھی کہ مزاحمت بے کار ہے۔

☆.........☆.........☆

"رمل! مت جاؤ بیٹا۔"

"نہیں سر! اب میں یہاں نہیں رہ سکتی۔"

"رمل! تم اعیان کی ذہنی حالت سے بخوبی واقف ہو، میں حلفیہ کہہ سکتا ہوں کہ میرا بیٹا بہت باکردار ہے۔ یہ جو کچھ بھی ہوا محض اس کے ذہنی خلل کی وجہ سے ہوا۔" منصور خان نہیں چاہتے تھے کہ رمل وہاں سے چلی جائے۔ اعیان کی باکرداری کی تو رمل خود بھی گواہ تھی کہ جب اس نے ملتان میں اسے پناہ دی تھی تو باوجود اختیار کے وہ کسی گستاخی کا مرتکب نہیں ہوا تھا۔

"مگر سر......" وہ ہونٹ کاٹنے لگی، آنسو خود بخود بہنے لگے۔

"بیٹھو۔" منصور خان کے کہنے پر وہ بیٹھ گئی۔ "رمل! اس روز میں مردان سے لوٹا تو بے حد خوش تھا مگر گھر آیا تو......" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئے۔ "جانتی ہو بیٹا! تم ہمارے ہی خاندان کی ایک فرد ہو۔"

"جی؟" وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"ہاں میں سچ کہہ رہا ہوں۔ محمود خان کے اور میرے دادا آپس میں سگے بھائی تھے، میں نے مردان میں تمہارے والد کے متعلق پوری معلومات اکٹھی کی ہیں، یہ دیکھو یہ تصویر تمہارے والد کی ہی ہے ناں؟" رمل نے ایک ٹرانس کے سے عالم میں ان کے ہاتھ سے تصویر لے لی۔

"بابا۔" وہ تصویر دیکھ کر رو دی۔

"اب تم کہیں نہیں جاؤ گی۔" منصور خان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی، کسی اپنے کے ہونے کا احساس ہی تحفظ دینے کو کافی ہوتا ہے۔ اسے لگا وہ برسوں بعد جلتی دھوپ سے چھاؤں میں آ گئی

ہو۔

"میں تمہیں اب کہیں نہیں جانے دوں گا۔ تم ہمارا خون ہو اور میری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ میرے ہوتے ہوئے میری بیٹی در در ٹھوکریں کھاتی پھرے۔" اتنا مان بھرا لہجہ تھا کہ وہ انکار نہ کر سکی۔ اب وہ خاصی محتاط ہو گئی تھی، اعیان نے دوبارہ ویسی حرکت نہیں کی تھی۔ وہ بتدریج بہتر ہو رہا تھا۔ اور پھر ایک دن تو معجزہ ہی ہو گیا۔ اعیان سب کو پہچاننے لگا تھا۔

"سوبی! چاچو کی جان۔" اس کے یہ الفاظ جہاں منصور خان اور رمل کے لیے حیرت کا باعث تھے وہیں ماہ نور بھی کچھ کم حیران نہ تھا۔ اتنے عرصے بعد اس کے سویٹ چاچو نے اسے سابقہ انداز میں پکارا تھا۔ منصور خان کے تو مارے خوشی کے پیر ہی زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔ اسی لمحے ڈاکٹر کو فون کر کے بلایا گیا۔

"ویری اسٹرینج منصور صاحب۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے، یہ تو معجزہ ہو گیا ہے۔ ماشاء اللہ اتنی اسٹرونگ ول پاور بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔" ڈاکٹر نے ہدایت کی تھی کہ اسے آہستہ آہستہ معمولاتِ زندگی پر لایا جائے۔ اسے رفتہ رفتہ خود ہی سب یاد آ جائے گا اور وہ پھر سے ایک نارمل لائف گزار سکے گا۔

اعیان نے منصور خان کے ساتھ آفس جانا شروع کر دیا تھا۔

وہ اس وقت آفس سے لوٹا تھا، اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ وہ وارڈروب کھولے کپڑوں کی ترتیب درست کرتی نظر آئی۔ اسے بابا کی اس بھتیجی سے نامعلوم سی چڑ ہو چلی تھی۔ ذہن پر کئی بار زور دیا مگر اسے یاد نہ آ سکا کہ بابا کی کوئی بھتیجی بھی تھی۔ اب یہ محترمہ جانے کہاں سے دریافت کر لی تھیں بابا نے۔ اسے یہ ضرور لگتا تھا کہ وہ پہلے بھی اس لڑکی کو کہیں دیکھ چکا ہے مگر باوجود کوشش کے یاد نہ کر پایا۔

"آپ جائیں پلیز۔" اعیان کی آواز پر وہ چونکی تھی۔

"جی۔" وہ فوراً پلٹ گئی۔ اعیان ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا جب اس کی آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔

"وہ...... کھانا لگا دوں؟" وہ پلٹ کر پوچھ رہی تھی۔

"نہیں۔" وہ یوں ہی ناپ تول کر گفتگو کرنے کا عادی تھا۔ رمل چلی گئی۔ ملازمہ ایک ہفتے سے چھٹی پر تھی جس کی وجہ سے اسے خود سب کام کرنا پڑ رہے تھے۔ اس نے تو اعیان کے کمرے میں جانا بالکل ہی چھوڑ دیا تھا مگر آج میلے کپڑے اکٹھے کرنے کی غرض سے آئی تو کمرے کا حال دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا۔ اعیان سے اسے ڈر نہیں لگتا تھا مگر اس کی شخصیت میں ایک سرد مہری اور لہجے میں کاٹ سی تھی جس کی وجہ سے وہ خوف زدہ رہتی تھی۔ وہ اکھڑ اور بد دماغ شخص تھا ہر لمحے یہ خوف دامن گیر رہتا کہ جانے کس لمحے اسے کون سی بات بری لگ جائے۔ وہ پل بھر میں ٹمپر لوز کر جاتا تھا۔ تمام ملازم اس سے ڈرتے تھے۔

"اعیان! مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنا تھی۔"

"جی بابا کہئے۔"

"تم نے اب کیا سوچا ہے؟"

"کس بارے میں؟"

"شادی کے بارے میں۔" منصور خان کے کہنے پر یکلخت اس کے چہرے کے زاویے تبدیل ہوئے تھے۔

"مجھے شادی نہیں کرنی بابا۔"

"بیٹا آخر کب تک۔ زندگی چلتے رہنے کا نام ہے یہ کبھی نہیں رکتی بہتر ہوگا تم اپنا گھر بسا لو۔ یہ میری خواہش سمجھ لو یا حکم مگر بیٹا...... میں تمہارا گھر آباد دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بابا! آپ جانتے ہیں مجھے عورت کے نام سے ہی نفرت ہے۔"

"بیٹا! سب عورتیں ایک جیسی نہیں ہوتیں میں چاہتا ہوں کہ تم رمل سے شادی کر لو۔"

"واٹ؟" اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"پلیز بابا......"

"تم سوچ لو بیٹا یہ میری خواہش ہے۔" منصور خان چلے گئے جبکہ وہ سلگ کر رہ گیا۔ "او وہ اب سمجھ میں آیا محترمہ کی خدمت گزاریوں کے پیچھے کون سا مقصد کار فرما تھا۔ آخر بے نام، بے وفا، مکار، مفاد پرست عورت۔" وہ بری طرح نالاں تھا عورت ذات سے۔ رمل کا وجود بری طرح کھٹکنے لگا تھا اسے۔ صبح ناشتے کی میز پر منصور خان موجود نہیں تھے۔

"بابا سو رہے ہیں ابھی تک؟" اس نے چائے بناتی رمل سے پوچھا۔

"جی ان کی طبیعت خراب ہے۔"

"کیا ہوا انہیں؟" وہ فکر مند ہو گیا۔

"سر میں ذرا درد تھا میں نے دوا دے دی ہے۔" اس نے چائے کا کپ اس کی جانب بڑھایا۔ اعیان نے ایک نظر چائے کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"ناشتہ تو کر لیں......" وہ بے اختیار بول اٹھی۔

"سنو" وہ ایک ہاتھ میز پر رکھ کر اس کی جانب جھکا۔ "تم ان ڈراما بازیوں سے مجھے متاثر نہیں کر سکتیں۔" کیسی کاٹ تھی اس کے لہجے میں وہ تڑپ کر رہ گئی۔ وہ چلا گیا جبکہ رمل کو تاسف نے آن گھیرا۔ وہ جانے کیوں اس کی اتنی سرد مہری اور ہتک آمیز رویے کے باوجود اس سے نفرت نہیں کر پائی تھی۔

اس روز اسے گھر کے لیے کچھ ضروری اشیاء کی خریداری کرنا تھی وہ ٹیکسی لے کر چلی آئی کیوں کہ ایک گاڑی اعیان کے پاس تھی جبکہ دوسری ورکشاپ میں تھی۔ ابھی چند چیزیں ہی خریدی تھیں کہ دو لڑکے اس کا پرس چھیننے کی کوشش کرنے لگے وہ اس افتاد پر بوکھلا گئی۔ مزاحمت پر ایک لڑکے نے اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ سامنے کھمبے سے ٹکرائی سر پر چوٹ لگی تھی جس سے خون بہنے لگا تھا۔ اسے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔

"آنکھیں کھولو بیٹا! ارے یہ تو زخمی ہے۔ آدرش گاڑی اسٹارٹ کرو ہمیں ہاسپٹل جانا ہے۔" صاعقہ ربانی نے اسے سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا زخم زیادہ سیریس نہیں تھا۔

"آنٹی میری وجہ سے آپ کو اتنی زحمت اٹھانا پڑی۔"

"ارے نہیں بیٹا زحمت کیسی۔ تم تو بالکل میری بیٹیوں جیسی ہو۔"

"یہ تو آپ کا بڑا پن ہے اب میں گھر جاؤں گی۔" بیگم صاعقہ ربانی نے اسے ڈراپ کیا۔

"رمل! کیا ہوا بیٹا؟" گھر پر منصور خان موجود تھے اس کے سر پر پٹی بندھی دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ رمل نے انہیں مختصراً حادثے کا بتایا۔

"چلو چھوڑو پیسوں کو۔ شکر ہے تمہیں زیادہ نقصان نہیں

وہ ان کی محبت پر مسکرا دی مگر اسے اعیان کے خیالات بھٹکا گیا تھا۔ وہ منصور خان کے ہمراہ لونگ روم میں بیٹھا تھا کسی کام کی غرض سے وہاں آئی تو اعیان کی آواز سن کر ٹھٹھک گئی۔

"پاپا! وہ آپ کو تو بے وقوف بنا سکتی ہے مگر مجھے نہیں۔ میں جانتا ہوں میں ان عورتوں کی مکاریوں کو۔ تم خود کہیں راج کر رہی ہوگی اور ڈراما......"

"اعیان! اسٹاپ اٹ وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔"

"پاپا! آپ آخر اس کی اتنی سائیڈ کیوں لیتے ہیں؟" وہ جھلایا۔

"کیوں کہ وہ بھتیجی ہے میری اس گھر کی ہونے والی بہو ہے۔"

"فار گاڈ سیک پاپا! میری مرضی کے بغیر وہ کس طرح اس گھر کی بہو بن سکتی ہے؟" وہ بری طرح چڑ گیا۔

"اعیان! تم جان بوجھ کر ہیرا ٹھکرا رہے ہو جانتے ہو تمہاری صحت یابی میں کتنا اہم کردار ہے اس کا۔ اس نے دن رات جس طرح تمہاری دیکھ بھال کی ہے...... مگر تم جانے کس مٹی سے بنے ہو کہ کوئی بات تم پر اثر انداز نہیں ہوتی۔"

"پاپا! میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ مجھے شادی نہیں کرنی۔"

"اعیان اپنا نہیں تو مائب کا ہی خیال کر لو وہ بن ماں باپ کا بچہ...... اس کا کیا بنے گا؟" فکر مندی ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔

"پاپا! آپ ہیں، میں ہوں، ہم مائب کے لیے کافی ہیں۔"

"میں کب تک رہوں گا اس کے ساتھ۔ اور تم جس طرح کی لاپروا طبیعت کے مالک ہو اس کو کیا سنبھالو گے۔ وہ رمل کے ساتھ اٹیچ ہو چکا ہے اور رمل بے حد مخلص لڑکی ہے۔"

"مگر پاپا......"

"بس اعیان، بہت ہو گیا۔ میں نے آج تک تم پر اپنی مرضی مسلط نہیں کی تم نے اپنی پسند سے شادی کی اور اس کا انجام بھی دیکھ لیا اب وہی ہوگا جو میں چاہوں گا۔" منصور خان اٹھ کر چلے گئے رمل سن کھڑی رہ گئی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کچھ بھائی نہ دے رہا تھا وہ واپس مڑ گئی۔

☆......☆......☆

سحر کی شادی کی تقریب میں شانزہ نے دونوں طرف سے بھرپور حصہ لیا تھا۔ البتہ آدرش سے اس کا رویہ اول روز کی طرح روکھا اور سرد سا تھا۔ شادی کی پوری تقریب کے دوران وہ ایک لمحے کو بھی اس سے بات نہ کر سکا تھا۔ سحر کے ویسے کے دو دن بعد وہ لوگ رواج کے مطابق شانزہ کو لینے آئے تھے ساتھ وہ بھی تھا۔ وائٹ ہیچ کاٹن کے کلف لگے کڑکڑاتے شلوار سوٹ میں اس کا اونچا لمبا سراپا بے حد جچ رہا تھا۔ سب لوگ اس کے آگے پیچھے پھر رہے تھے اور وہ مغرور مغرور سا سب کے درمیان بیٹھا تھا۔ لائٹ اور ڈارک پرپل سلک کی ساڑھی میں ہلکے پھلکے میک اپ اور بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنائے وہ آدرش کے ضبط کا امتحان بنی ہوئی تھی۔ اچانک دونوں کی نظریں ملیں تو شانزہ کو اس کی نظروں میں عجیب سی چمک نظر آئی۔ شاید فتح کا احساس نگاہوں میں اتر کر بولنے لگا تھا۔ وہ ناگواری سے نظروں کا زاویہ بدل گئی وہ دوبارہ سے اسی "مقتل" میں نہیں جانا چاہتی تھی مگر بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جو انسان کو نہ چاہتے ہوئے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ چاہے وہ لاکھ سر پٹخ لے چھپ جائے آنکھیں بند کر لے مگر...... بسا اوقات انسان کو اپنا آپ مار کر جینا پڑتا ہے۔ ایسے میں مجبوری خود مجبور ہو جاتی ہے۔

"کیا کر رہی ہو؟" وہ جانے کب اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور استحقاق بھرے انداز میں اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ شانزہ جو وارڈ روب میں سے کپڑے نکال رہی تھی تڑپ کر رہ گئی۔

"پلیز...... مجھے کام کرنے دیں۔" آدرش نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔

"کیا سب لڑکیاں تمہاری طرح ظالم ہوتی ہیں؟" اس کے کہنے پر وہ ایک لمحے کو رکی تھی۔

"کیا مطلب؟"

"اب مطلب بھی میں ہی سمجھاؤں؟" وہ اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"آدرش ربانی! آپ اتنے معصوم ہیں نہیں جتنے بنتے

ہیں۔" وہی کاٹ بھرا لہجہ آدرش کچھ نہ سمجھ میں آنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھے گیا پھر ایک دم مسکرا اٹھا۔

"واقعی میں اتنا معصوم نہیں ہوں جتنا تم نے مجھے پچھلے چند دنوں میں سمجھ لیا ہے۔" وہ شرارت بھرے انداز میں اس کا ہاتھ تھامنے لگا تو وہ بدک کر دور ہوئی۔

"پلیز ..... مجھے گھن آتی ہے آپ کے وجود سے۔ میرے قریب آنے کی کوشش مت کیا کریں آپ جیسے شخص کی قربت میرے لیے کسی عذاب سے کم نہیں ہے۔" وہ یکلخت چلا اٹھی۔ آدرش کا مسکراتا چہرہ پل بھر میں متغیر ہو گیا تھا۔ آنکھیں اس کے الفاظ پر انگارہ بن کر دہکنے لگی تھیں۔ اتنی توہین ..... اس قدر تذلیل اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ یہ شخص نہس کر ڈالے۔ یہ لڑکی جو اس کی اولین چاہت تھی اس قدر نفرت کرتی تھی اس سے۔

"میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم مجھ سے اس قدر نفرت کرتی ہو کاش مجھے یہ سب پہلے معلوم ہو جاتا تو ..... کیا تم بتانا پسند کرو گی کہ آخر میرا قصور کیا ہے؟" کافی دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوا تھا۔

"اتنے انجان مت بنیں آدرش ربانی۔"

"میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔" اس کی کنپٹی پر رگ ابھر کے گئی تھی۔ مٹھیاں بھینچے ہوئے وہ ضبط کی آخری حدود پر تھا۔

"ایک معصوم لڑکی کے قاتل ہیں آپ۔" وہ چلائی۔

"واٹ؟ تم ہوش میں تو ہو۔"

"ارسہ وقار کو بھول گئے حیرت ہے۔"

"ارسہ وقار؟ تم کیسے جانتی ہو اسے؟"

"ہاں ..... آدرش ربانی۔ وہ میری عزیز ترین سہیلی تھی آپ کی بے وفائی نے اس کی جان لے لی۔"

"میں نے اس سے کوئی بے وفائی نہیں کی۔"

"جھوٹ بولتے ہیں آپ۔ آپ ہی نے تو اسے پیار محبت کا جھانسہ دیا تھا اسے سبز باغ دکھائے تھے وقتی دل لگی کر کے اسے چھوڑ دیا اور وہ بے وقوف لڑکی دل لگی اور محبت میں فرق ہی محسوس نہ کر سکی اور اپنی جان پر کھیل گئی۔"

"شانزہ ملیحہ میں اسے محض نام کی حد تک جانتا ہوں اور بس ..... میں نے اسے کوئی دھوکہ نہیں دیا۔"

"پلیز میرے سامنے یہ جھوٹے بہانے اور بودی دلیلیں پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ واش روم میں چلی گئی۔ آدرش الجھ کر رہ گیا ارسہ وقار کو وہ محض نام کی حد تک جانتا تھا وہ بھی اس سے نہیں ملا تھا۔ ارسہ وقار کا ذکر اس نے کئی بار اپنے دوست راحیل کے منہ سے سنا تھا۔ یہ تب کی بات تھی جب وہ ایم بی اے کر رہا تھا۔ راحیل اس کا بیسٹ فرینڈ ہونے کے ساتھ ساتھ روم میٹ بھی تھا۔ راحیل فارغ اوقات میں کمپیوٹر پر بیٹھا رہتا تھا انہی دنوں وہ کسی ارسہ وقار نامی لڑکی سے چیٹنگ بھی کیا کرتا تھا۔ وہ ہنس ہنس کر آدرش کو ارسہ کی دیوانگی کے قصے سنایا کرتا تھا۔ آدرش بھی تو ہنس کر بات بدل دیتا مگر کبھی اسے ٹوک دیتا۔

"راحیل۔ تو اگر سیریس ہے تو اس قصے کو آگے بڑھا ورنہ یہیں ختم کر دے۔ خواہ مخواہ ایک لڑکی کی زندگی برباد ہو جائے گی۔"

"اوہ لیو اٹ یار۔ کوئی زندگی برباد نہیں ہوتی' تیرا کیا خیال ہے وہ سیریس ہے میرے ساتھ۔ جانے وہ اور کتنوں کے ساتھ یوں چیٹنگ کرتی ہو گی تو کیا وہ سب کے ساتھ سیریس ہو گی؟"

ایم بی اے مکمل کرنے کے بعد وہ لاہور آ گیا اس کے بعد اسے پتا چلا کہ راحیل اپنے ماموں کے پاس کینیڈا چلا گیا ہے اس کے بعد اس کا رابطہ نہیں ہو سکا تھا راحیل سے۔ سب بات کلیئر تھی مگر جو بات الجھن کا باعث تھی وہ یہ کہ شانزہ کو یہ غلط فہمی کس طرح ہو گئی کہ ارسہ وقار کے ساتھ محبت کا ڈھونگ رچانے والا شخص آدرش ربانی تھا۔ "اف! میں کیسے دور کر پاؤں گا اس نادان لڑکی کے دل سے یہ غلط فہمی۔" وہ کروٹ بدل کر لیٹ گیا مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

☆......☆......☆

بڑی فلمی سی سچویشن تھی اس کے ساتھ بھی وہی ہونے چلا تھا جو وہ اکثر ناولوں میں پڑھتی آئی تھی۔ پتا نہیں کس طرح منصور خان نے امیان کو اس شادی کے لیے راضی کیا تھا۔ "شاید کنپٹی پر بندوق رکھ کر یا جائیداد سے عاق کرنے کی دھمکی دے کر یا شاید اپنی محبت کا واسطہ دے کر اسے مجبور کیا تھا۔" حجلۂ عروسی میں بیٹھی وہ یہی سوچ رہی تھی یہ کیسی شادی تھی۔ نہ ڈھولک بجی' نہ سکھیوں نے گیت گائے بابل کی

جا سکیں نہ ماں کا گلے لگ کر رونا اسے اپنے نصیب پر رونا آ رہا تھا۔ منصور خان نے باپ کی طرح اسے اس رشتے پر راضی کیا تھا۔ بھلا وہ باپ کا مان کیسے توڑ دیتی۔ دفعتاً دھاڑ سے دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز پر اس کے خیالات منتشر ہوئے تھے۔ اس کا دل کانپ کر رہ گیا آنے والے کا خوف اس کی رگوں میں خون بن کر دوڑنے لگا تھا۔ امیان نے ایک قہر آلود نگاہ سجی سنوری دلہن پر ڈالی۔ وہ اس [illegible] زہر خند ہو رہا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور اسے بازو سے تھام کر ایک جھٹکے سے کھڑا کیا وہ لڑکھڑا گئی۔

"تم جو چاہتی تھیں وہ ہو گیا۔ اب دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔" ایک جھٹکے سے اسے دھکا دیا تو وہ فرش پر آ رہی وہ تو شکر تھا کہ فرش پر دبیز قالین بچھا تھا مگر جھٹکا ایسا زور کا اور اچانک تھا کہ وہ بری طرح تکلیف محسوس کر رہی تھی۔

"اگر تمہیں دولت چاہیے تھی تو مجھے کہا ہوتا میں ویسے ہی تمہیں بہت کچھ دے دیتا یہ سارا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" کیسے طنز کے نشتر چلا رہا تھا وہ۔ دل کے آنسو نہ چاہتے ہوئے بھی بہہ نکلے۔

"پلیز ..... آپ مجھے غلط سمجھ ....." وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں تمہیں اب ہی تو صحیح طور پر سمجھا ہوں۔ تم جیسی گھروں سے بھاگ جانے والی لڑکیوں کی فطرت سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔" اس کے الفاظ پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ "زیادہ ایکٹنگ کی ضرورت نہیں ہے مجھے یاد ہے وہ طوفانی رات جب تم نجانے کس کے ساتھ ....."

"خدا کے لیے خاموش ہو جائیں۔" وہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے تڑپ کر چلا اٹھی۔

"کیوں؟ کیا سچ سننے کا حوصلہ نہیں ہے؟" اس کے قریب کھڑا وہ سفاکی سے کہہ رہا تھا۔

"آپ جو سمجھتے ہیں سمجھتے رہیں مگر خدا کے لیے میرے کردار پر کیچڑ مت اچھالیں۔" وہ روتے ہوئے باہر کی طرف بڑھنے لگی تو اس نے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔

"پاپا کو تماشا دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے سر پر تو یہ بھی نام نہاد بھتیجی کی محبت کا بھوت سوار ہے۔ تھوڑے ہی عرصے کی بات ہے ..... مگر تب تک مجبوراً مجھے یہ زہر کا گھونٹ بھرنا پڑے گا۔" وہ اسے چھوڑ کر چینج کرنے کی غرض سے ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ دلہن گم صم سی کھڑی رہ گئی۔ ساری رات اس نے صوفے پر بیٹھے بیٹھے گزار دی تھی۔ رہ رہ کر اپنی کم مائیگی کا احساس رلا رہا تھا۔ دور کہیں فجر کی اذان ہو رہی تھی وہ آنسو پونچھتی وضو کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک نظر اس ستم گر پر ڈالی وہ بے خبر سو رہا تھا۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ باہر نکل آئی صبح کا ہلکا ہلکا اجالا پھیلا اور پرندوں کی چہچہاہٹیں نہایت ہی دلفریب سا ماحول تھا مگر وہ بالکل خاموش تھی۔ دل کا موسم خوشگوار ہو تو باہر کا موسم اثر انداز نہیں ہوا کرتا۔ وہ ایک سرد آہ بھرتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ناشتہ تیار کرنا تھا مومی کو بھی اسکول بھیجنا تھا۔

"ہائے باجی آتی سویرے اٹھ گئیں۔" ملازمہ کچن میں اسے کام کرتا دیکھ کر حیران ہوئی۔

"ہاں رشیدہ میں نے ناشتہ تیار کر دیا ہے بس مومی کا لنچ باکس تیار کرنا باقی ہے تم جاؤ میں مومی کو جگاتی ہوں۔" وہ روز مرہ کے انداز میں گویا ہوئی۔

"باجی! آپ رہنے دو ساری رات کے جاگے ہوئے ہو میں سب کام کر دوں گی آپ جا کر آرام کرو۔" رشیدہ کی نگاہوں میں شوخی تھی وہ جانے کیوں چڑ گئی۔

"تم سے جو کہا ہے وہ کرو میرے کاموں میں دخل نہ دو۔" وہ مومی کو جگانے چل دی۔ رشیدہ اس کے اکھڑ انداز پر جل کر رہ گئی۔ "ہونہہ گھر کی مالکن بن گئی تو نخرہ کرتی ہے۔"

ناشتے کی میز پر منصور خان اور مومی موجود تھے۔ اسی لمحے امیان بھی آ گیا۔ ٹک سک سے تیار شاید آفس جانے کا ارادہ تھا وہ منہ پھلائے چپ چاپ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"گڈ مارننگ۔" منصور خان نے کہا۔

"مارننگ۔" وہ سرد سے لہجے میں کہتا چائے بنانے لگا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"آفس۔"

"آج بھی ..... آج کے دن تو تمہیں گھر پر رہنا چاہیے۔"

"کیوں؟ آج کے دن میں کون سی خاص بات ہے؟"

وہ چیخ کر بولا۔

"ہے تو ..... خیر۔" منصور خان نے ایک گہرا سانس لیا۔

"رمل آجاؤ بیٹا! ناشتہ کرلو۔ رشیدہ کرے گی کام۔" منصور خان کے کہنے پر وہ آگئی اس کے بیٹھتے ہی اعیان اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں؟ ناشتہ تو کرتے جاؤ۔"

"بھوک نہیں ہے۔" سرد سے انداز میں کہتا وہ باہر نکل گیا۔ منصور خان سرد آہ بھر کر رہ گئے رمل اپنی جگہ چور سی بن گئی۔

☆......☆......☆

"بھابھی! آپ اتنی چپ چپ کیوں رہتی ہیں؟" امروز کے پوچھنے پر ایک لمحے کو وہ خاموش رہ گئی۔

"میں تو شروع سے ہی ایسی ہوں۔" وہ قصداً مسکرائی۔

"بھابھی! آپ اور چھوٹے بھائی ابھی تک کہیں گھومنے بھی نہیں گئے اور ایک وہ عمر کی بچی...... پورے پندرہ دن ہوگئے ہیں اسے گئے ہوئے۔"

"ہاں! وہ تمہارے چھوٹے بھائی کی کچھ بزنس کی مصروفیات ہیں۔" وہ بڑی آسانی سے بات بنا گئی اسی لمحے آدرش آگیا۔

"امروز فٹافٹ ٹھنڈا ٹھنڈا اسکوائش بنا کر لاؤ۔" شانزہ کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"ابھی لائی۔" امروز اٹھنے لگی تو شانزہ نے روک دیا۔

"تم رکو امروز میں لاتی ہوں۔" وہ محض فرار چاہ رہی تھی، اس شخص کی قربت سے بچنا چاہ رہی تھی۔ آدرش نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔

"میں کمرے میں جا رہا ہوں، وہیں لے آنا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ انداز اکھڑا اکھڑا سا تھا۔ شانزہ نے اسکوائش بنا کر ملازمہ کے ہاتھ بھجوا دیا تھا۔ آدرش جانے کیوں چڑ گیا اس کی اس حرکت پر۔ دونوں میں سرد جنگ جاری تھی وہ دونوں ایک ہی چھت تلے اجنبیوں کی طرح رہ رہے تھے۔ آدرش نے بارہا اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی مگر وہ تھی کہ کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھی۔ شام کو وہ تیار ہو کر باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

"بس بیٹے ایمرجنسی کچھ ایسی تھی کہ چند لوگوں کو بلا کر نکاح کی سادہ سی تقریب منعقد کی گئی۔" منصور خان کے کہنے پر آدرش سر ہلا کر رہ گیا۔ اسی لمحے رمل چائے لے کر آگئی۔ منصور خان نے اسے خود چائے لانے کا کہا تھا۔

"رمل! یہ آدرش ہے اعیان کا دوست۔" منصور خان نے تعارف کروایا رمل نے دھیرے سے سر ہلا کر سلام کیا۔ آدرش کو یہ سادہ سی لڑکی اچھی لگی تھی۔ کم از کم غزالہ سے بہت بہتر تھی وہ۔ اسی لمحے اعیان بھی آگیا۔

"آج کیسے یاد آگئی تجھے میری؟" وہ آدرش سے بغل گیر ہوتے ہوئے بولا۔

"جس طرح جناب کو میری یاد آتی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"مبارک ہو۔"

"کس بات کی؟"

"شادی کی۔" آدرش کے کہنے پر ایک لمحے کو اس کے لب بھنچ گئے۔ اس نے رمل کی وہاں موجودگی کا اب نوٹس لیا تھا۔ اس نے کچھ ایسی نظروں سے رمل کو گھورا کہ وہ گڑبڑا کر باہر نکل گئی۔

"رمل بھابھی بہت ملنسار اور پُرخلوص لگتی ہیں، یو آر لکی۔" آدرش کے کہنے پر وہ محض سر جھٹک کر رہ گیا۔ مسکرا بھی نہ سکا۔ آدرش کافی دیر بیٹھا رہا جاتے ہوئے اسے اور رمل کو ڈنر کی دعوت دے گیا۔ اعیان چاہتے ہوئے بھی نہ ٹال سکا۔

کیوں دیکھتے رہتے ہیں ستاروں کی طرف ہم
جب اُن سے ملاقات کا وعدہ بھی نہیں ہے
کیوں راہ کے منظر میں اُلجھ جاتی ہیں آنکھیں
جب دل میں کوئی اور ارادہ بھی نہیں ہے
کس موڑ پہ لے آیا ہمیں ہجر مسلسل
تاحد نگاہ وصل کا وعدہ بھی نہیں ہے
پتھر کی طرح سرد ہے کیوں آنکھ کسی کی!
امجد جو بچھڑنے کا ارادہ بھی نہیں ہے

وہ سوچوں میں غلطاں ٹیرس پر کھڑی تھی۔ اعیان کے اندر داخل ہونے پر وہ چونکی۔ اعیان کپڑے چینج بھی کر کے آگیا جبکہ وہ ٹیرس پر ہی کھڑی رہی۔ وہ اب بستر پر لیٹ چکا تھا۔ رمل ایک سرد آہ بھرتی اندر آگئی۔ اعیان نے جو کپڑے اتارے تھے وہ اٹھا کر ایک طرف رکھے۔ وارڈروب کھول کر اس کا سوٹ نکالا جو اس کو صبح آفس پہن کر جانا تھا۔ اعیان خاموشی سے اس کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔ وہ کپڑے اٹھا کر باہر جانے لگی تو اعیان کی چبھتی آواز اس کی سماعتوں سے

"تم واقعی بہت بڑی ڈرامہ باز ہو۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکی۔

"تم خوب سمجھتی ہو سب کچھ پھر مطلب پوچھنے کا کیا فائدہ بھلا؟" وہ ٹھنڈے میٹھے انداز میں طنز کرتا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"مجھ سے زیادہ بہتر اور کون سمجھ سکتا ہے تمہیں۔" وہ عجیب انداز میں ہنسا۔

"آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا میرے کردار پر کیچڑ اچھال سکے۔"

"کردار...... کون سے کردار کی بات کر رہی ہو۔ وہ جو تمہارے پاس ہے ہی نہیں یا وہ جو تم اس گھر میں ادا کر رہی ہو۔" اُف کیسا کاٹ دار لہجہ تھا اس کا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ رونا چاہتی تھی مگر اس سنگ دل کے سامنے رو کر کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

"کچھ بھی...... کچھ بھی جانے بغیر آپ مجھ پر فرد جرم عائد کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔"

"مجھے تمہاری ان جھوٹی کہانیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" وہ کپڑے وہیں پھینکتی باہر نکل آئی دل کا غبار اتنا بڑھ گیا تھا کہ دم گھٹنے لگا تھا۔ کوریڈور کی سیڑھیوں پر بیٹھی وہ دھیرے دھیرے آنسو بہا رہی تھی۔ آنکھیں برس رہی تھیں دل کی جلن کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ وہ شکوہ نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اس کا رواں رواں تقدیر سے شکوہ کناں تھا۔ عورت سب کچھ سہہ جاتی ہے...... ہر ظلم برداشت کر جاتی ہے مگر جب اس کے کردار پر بات آجائے تو برداشت کی ہر حد ختم ہو جاتی ہے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے...... اعتبار، اعتبار، اعتبار...... یہ چھ حرفی لفظ کتنا معتبر کر دیتا ہے ناں عورت کو۔ عزت، محبت اور خلوص...... صرف انہی چیزوں کی طلب ہوتی ہے عورت کو...... اگر یہ مل جائیں تو وہ اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتی مگر یہاں تو معاملہ لینے دینے کا بھی نہیں تھا تو جان قربان کرنا تو بہت دور کی بات ہو جاتی ہے۔ وہ جب سے شادی کے اس نام نہاد بندھن میں بندھی تھی صرف دے ہی رہی تھی۔ کچھ ملنا تو اس کے نصیب میں ہی نہیں تھا شاید۔

"رمل۔"

"جج...... جی......" منصور خان کی آواز پر وہ چونکی۔

"تم رو رہی ہو؟" وہ اس کے گالوں پر پھسلتے آنسوؤں اور شدت گریہ سے سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر چونکے رمل سر جھکا گئی۔

"کیا بات ہے بیٹا؟ کوئی پریشانی ہے؟" وہ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔ کتنی اپنائیت، کیسا تحفظ تھا اس لمس میں اس کے آنسوؤں میں روانی آگئی۔

"کچھ بتاؤ تو سہی کیا مسئلہ ہے؟"

"بہت درد ہے پاپا! بہت درد...... مجھ سے یہ مار مزید نہیں سہی جاتی۔"

"کیا...... کیا مطلب...... کیا اعیان نے تم پر ہاتھ اٹھایا ہے؟" انہیں شاک لگا تھا۔

"کاش...... کاش کہ وہ ایسا کرتے، مجھے مارتے، میرا جسم لہولہان کر دیتے مگر...... وہ تو روح کو اذیت دیتے ہیں، چھلنی کر دیتے ہیں روح کو۔ جسم پر لگے زخم تو پھر بھی بھر جاتے ہیں مگر روح پر لگے گھاؤ تو ناسور بن جاتے ہیں...... جن سے رستا قطرہ قطرہ لہو دل پر تیزاب بن کر گرتا ہے۔ پاپا...... جسم پر لگے زخموں کا تو پھر بھی علاج ہو جاتا ہے مگر...... آپ ہی بتائیں پاپا روح پر لگے زخم کوئی کیسے کسی کو دکھائے۔ ان پر کیسے مرہم رکھا جائے۔ میں لمحہ لمحہ مر رہی ہوں پاپا...... نفرت کا یہ زہر قطرہ قطرہ میرے وجود میں سرایت کرتا جا رہا ہے...... کیا اس زہر کا کوئی تریاق ہے...... شاید نہیں...... خدا کے لیے آپ اپنے بیٹے سے کہیے کہ وہ مجھے ایک ہی دفعہ مار ڈالے یوں کند چھری سے ذبح کرنا بہت اذیت دیتا ہے۔ کاش...... کاش پاپا آپ نے یہ شادی کرنے سے پہلے اعیان سے پوچھ لیا ہوتا......" وہ اٹھ کر چلی گئی دل کا غبار نکال دیا۔ منصور خان گویا سکتے میں آگئے تھے بیک پر بنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے اعیان کے چہرے پر ناقابل فہم سے تاثرات تھے وہ یقیناً سب کچھ سن چکا تھا۔

☆......☆......☆

آدرش کمرے میں داخل ہوا تو ایک لمحے کو رک گیا۔

شانزہ کے ساتھ وہ ملی اور بجھی تھی۔ ان دنوں نے بھی ایک ساتھ آدرش کی طرف دیکھا تھا۔ لڑکی کی آنکھوں میں جو حیرت سمائی تھی آدرش شرمندہ ہو گیا۔

"یہ... ان کی بیوی ہیں؟ مجھے نہیں معلوم تھا کہ شانزہ کے علاوہ بھی یہاں کوئی ہے۔" وہ ہنس پڑا۔

"شانزہ... یہ... یہ..." وہ لڑکی حیران ہوئی تھی۔

"ہاں..." شانزہ نے ایک لمبا ہنکارا بھرا۔ "یہ آدرش ربانی ہی میرا شوہر ہے۔"

"تمہیں کیا ہو گیا ہے... اس وجاہت کو دیکھ کر تو میں بھی دیوانی ہوئی تھی۔"

"ارسہ... مجھے اس شخص سے شدید نفرت ہے۔"

"ارے مگر کیوں؟ اتنا زبردست بندہ ہے۔"

"تم کہہ رہی ہو ارسہ... بھلا تم ہی بتاؤ کہ ایک فلرٹ کے ساتھ گزارہ کر سکتی ہو... جبکہ میں جانتی ہوں کہ یہ شخص تمہارے ساتھ بھی دھوکہ کر چکا ہے... بہت مکار شخص ہے... اس کی مکاری تو دیکھو کہ تمہیں سامنے پا کر بھی انجان بننے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔" شانزہ زہر خند ہو رہی تھی۔

"دھوکہ؟ ارے نہیں شانزہ آدرش ربانی نے مجھے کوئی دھوکہ نہیں دیا۔"

"پھر تم کیا کہہ رہی ہو ارسہ... تمہارے کمپیوٹر پر میں نے خود آدرش ربانی کی تصویر دیکھی تھی جو اس نے تمہیں بھیجی تھی۔"

"تم صحیح کہہ رہی ہو مگر وہ تصویر آدرش نے نہیں راحیل نے دی تھی۔"

"راحیل۔" وہ ایک لمحے کو چونکی۔ آدرش نے بھی تو یہی نام بتایا تھا۔ "ارسہ... میں نے یہ بھی سنا تھا کہ تم نے خود کشی..."

"رکو میں بتاتی ہوں سب کچھ۔ تم تو بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو۔ میرے ساتھ جو کچھ بھی ہوا آدرش نے نہیں راحیل نے کیا... وہ شخص وقت گزاری کر رہا تھا مگر میں اسے محبت سمجھ بیٹھی۔ جب ہم چیٹنگ کیا کرتے تھے تو اس نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی مگر میں نے کہا کہ پہلے وہ مجھے اپنی فوٹو بھیجے... اس نے اپنے بجائے اپنے دوست آدرش ربانی کی تصویر بھیج دی بعد میں جو کچھ ہوا وہ تمہارے سامنے ہی تھا کہ کس طرح اس نے میرے ساتھ دھوکہ کیا۔ ان دنوں میں بہت ڈپریس تھی تم بھی کراچی سے لاہور شفٹ ہو گئیں... میں نے خودکشی کی کوشش کی مگر قسمت نے مجھے بچا لیا۔ حامد نے میرے اندر جینے کی امنگ پیدا کی۔ حامد میرا کزن مجھے شروع سے ہی چاہتا تھا مگر میں نے کبھی اس کو اہمیت نہیں دی تھی۔ حسن پرست تو میں شروع سے ہی تھی اور آدرش کی تصویر دیکھنے کے بعد تو حامد کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ حامد نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا تھا خود کشی کرنے کی وجہ نہیں دریافت کی تھی اس نے مجھے زندگی سے محبت کرنے کا فن سکھایا میرے اندر جینے کی امنگ پیدا کی اور تبھی مجھ پر ادراک ہوا کہ ایک عورت جس سب تو چاہتی ہے محبت وفا خلوص...... جو حامد کے پاس میرے لیے بے پناہ تھی۔ میں حامد کو سب کچھ بتانا چاہتی تھی مگر پھر یہ سوچ کر رک گئی کہ مرد چاہے کتنی ہی محبت کرنے والا کیوں نہ ہو اتنا عالی ظرف نہیں ہو سکتا کہ اپنی بیوی کے عشق کے بارے میں جان کر بھی مسکرا دے۔ مگر میں چاہتی تھی کہ شادی سے پہلے ایک بار راحیل سے ضرور ملوں تاکہ اس کے منہ پر تھوک سکوں۔ اسے بتاؤں کہ اس جیسے گھٹیا مردوں کی کیا اوقات ہوتی ہے اس مقصد کے لیے میں نے اس کے سیل فون نمبر کے ذریعے اس کے گھر کا ایڈریس معلوم کیا وہ کسی ہاسٹل میں رہتا تھا اور وہیں سے فون کیا کرتا تھا وہاں جا کر معلوم ہوا کہ تصویر کے بالکل برعکس وہ تو کوئی اور شخص تھا۔ شاید ابھی اس کے اندر کا اچھا انسان زندہ تھا اس لیے اس نے مجھے حقیقت سے آگاہ کیا اور مجھ سے اپنے کیے کی معافی مانگی۔ میں نے اسے معاف کر دیا۔ یہ سوچ کر کہ اگر وہ یہ سب نہ کرتا تو شاید میں حامد جیسے اچھے انسان کو کبھی نہ پہچان پاتی۔" ارسہ کی اتنی لمبی کہانی سن کر شانزہ کے اندر بے چینی سرایت کر گئی۔ وہ بُری طرح شرمندہ ہو رہی تھی کہ انجانے میں وہ آدرش کی کتنی انسلٹ کر چکی تھی۔

"مم... مگر ارسہ... میں تو..."

"مجھے اندازہ ہو رہا ہے تمہاری بے وقوفی کا۔ بے چارے آدرش بھائی کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی سزاوار ٹھہرے۔ شکر ہے کہ میں آ گئی... وہ تو حامد کے دوست کی شادی کے سلسلے میں یہاں آئی تو تمہاری طرف بھی آ گئی۔"

[illegible]

"آپ... میں کیا کروں؟" وہ رو دینے کو تھی۔

"آدرش بھائی سے معافی مانگو... مجھے لگتا ہے وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں تمہیں ضرور معاف کر دیں گے۔"

ارسہ کے کہنے پر وہ سوچ میں پڑ گئی۔ ارسہ تھوڑی دیر بعد چلی گئی وہ بری طرح شرمندہ ہو رہی تھی۔ یہ خوف بھی تھا کہ جانے وہ اسے معاف کرے گا بھی کہ نہیں۔

"بھابھی! تائی امی آپ کو نیچے بلا رہی ہیں۔" امروز کے اندر آنے پر وہ چونکی تھی۔

"تم چلو میں آتی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ آدرش کا کوئی دوست اور اس کی فیملی ڈنر پر مدعو تھے۔ ڈنر کی تیاری کرنی تھی۔

"جاؤ بیٹا باقی کام خانساماں دیکھ لے گا۔ تم جا کر تیار ہو جاؤ وہ لوگ آنے ہی والے ہوں گے۔" صاحبہ بیگم کے کہنے پر وہ تیار ہونے چل دی۔ ایپل گرین شلوار قمیص کے ساتھ ڈارک اور لائٹ شیڈ کا گرین دوپٹہ اور میک اپ کے نام پر لبوں پر پرل پنک گلوسی لپ اسٹک میں وہ تر و تازہ لگ رہی تھی۔ آدرش واش روم میں شاور لے رہا تھا وہ انگلیاں چٹخاتی بے چینی سے اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگی۔ مہمانوں کے آنے میں ابھی گھنٹہ بھر تھا اور وہ اس عرصے میں اسے منا لینا چاہتی تھی۔ آدرش نہا کر باہر آ چکا تھا چینج کرنے کے بعد وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بالوں میں برش چلا رہا تھا جب وہ اس کے سامنے آ گئی۔ بند آنکھیں، جن سے آنسو پھسل پھسل کر گالوں پر آ رہے تھے لرزتے لب اور دونوں ہاتھ جوڑے وہ اس کے سامنے مکمل آزمائش بنی کھڑی تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟" کھردرے انداز میں وہ کہتا ہوا رخ موڑ گیا شانزہ کے دل پر گھونسا لگا۔

"آئی ایم سوری آدرش۔" اپنا نرم و نازک سا ہاتھ اس کے شانے پر رکھتے ہوئے وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

"کس بات کی معافی مانگ رہی ہو مجھ سے؟" وہ اس کا ہاتھ درشتی سے جھٹکتے ہوئے بولا۔

"آپ جو [illegible] آپ کے بارے میں غلط [illegible]"

"مجھے [illegible] مجھ سے بہت غلطی ہوئی تھی [illegible]"

[illegible]

"مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی [illegible] مجھے معاف کر دیں غلطیاں بھی تو انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔"

"ہاں غلط فہمی..." اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"ویسے جتنا تمہارے [illegible] میں ایک بڑا [illegible] نفرت اور آدرش [illegible] سے معافی کیوں مانگ رہی ہو؟"

"مجھے ارسہ نے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"ارسہ... جو تمہارے مطابق مر چکی ہے۔ کیا وہ قبر سے آئی تھی میری گواہی دینے۔"

"آج دوپہر کو وہی تو آئی تھی۔ پلیز آدرش... مجھے معاف کر دیں۔ میں آپ کے پیر..." وہ اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"اٹھو یہ کیا کر رہی ہو۔" آدرش نے اسے شانوں سے تھام کر اٹھایا۔ وہ بری طرح رو رہی تھی اس کے آنسو دیکھ کر وہ پگھل گیا جان گیا تھا کہ وہ غلط فہمی کا شکار تھی اور اب غلط فہمی دور ہو جانے پر شرمسار بھی تھی۔

"تم بہت ظالم لڑکی ہو۔" کھینچ کر اسے اپنے آپ میں سمو لیا۔ وہ نئے سرے سے اس کے بازوؤں میں بکھرتی چلی گئی۔ "بدگمانیاں زندگی کو بہت مشکل بنا دیتی ہیں۔" دھیرے سے سرگوشی کی تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

"جی تو کرتا ہے کہ تم ساری عمر یوں ہی میری باہوں میں رہو مگر مسئلہ یہ ہے کہ مہمان آنے والے ہیں۔" شرارت سے جملہ کسا تو وہ لجا کر دور ہوئی۔ لبوں پر دھیمی سی مسکان اور آنکھوں میں سچے جذبوں کی چمک لیے وہ باہر کی طرف بڑھ گئی۔

نہ چاہتے ہوئے بھی رمل کو اعیان کے ہمراہ آنا پڑا تھا۔ چونکہ یہ فیملی ڈنر تھا اس لیے منصور خان اور مائب بھی ساتھ ہی تھے۔ رمل کو یہ سب لوگ بہت اچھے لگے تھے آدرش کی بیوی شانزہ سے مل کر اندازہ ہوا تھا کہ وہ کتنی نفیس طبیعت کی مالک تھی۔ وہ بڑے رشک سے اسے دیکھ رہی تھی شوہر کی محبت اور اس کا مان لہجے میں اتر کر بول رہا تھا۔ من چاہی

سہاگن ہونے کی چمک چہرے پر نور بن کر پھیلی تھی۔ اس کی آواز کی کھنک میں سب کچھ پالینے کا خمار تھا۔ آدرش کی والدہ صاعقہ ربانی کو دیکھتے ہی وہ پہچان گئی تھی اور اس کا اظہار بھی کرنا چاہتی تھی مگر وہ خود ہی پہچان گئیں۔

"ارے تم تو وہی ہو ناں جو بازار میں......"

"جی۔" وہ دھیرے سے بولی۔ اس کے پہلو میں بیٹھا اعیان بھی کچھ چونک سا گیا۔

"جانے آج کل کے لڑکوں کو کیا ہو گیا ہے' شرافت کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔" وہ اب اس روز والے واقعے کا ذکر کر رہی تھیں۔ اعیان جانے کیوں شرمندہ سا ہو گیا تھا۔ صاعقہ ربانی بار بار رِمل پر نظر ڈالتی تھیں۔ انہیں اس میں اپنی بہن کی شباہت نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے اس کا اظہار بھی کر ڈالا۔

"رِمل! تمہاری شکل میری بہن سے بہت ملتی ہے۔"

"اچھا۔" وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ "میرے بابا کہا کرتے تھے کہ میری شکل اپنی امی سے بہت ملتی ہے۔"

"کہاں ہوتے ہیں تمہارے والدین' مجھی ملواؤ ناں۔"

"وہ حیات نہیں ہیں۔"

"اوہ...... بہت دکھ ہوا یہ سن کر' تمہاری امی کا نام کیا تھا؟"

"آمنہ"

"آمنہ رحمان۔" صاعقہ ربانی کے کہنے پر وہ چونکی۔

"رحمان تو میرے نانا کا نام ہے۔"

"تت...... تم میری آمنہ کی بیٹی ہو۔ میری لاڈلی بہن کی بیٹی' میرا دل بار بار یہ گواہی دے رہا تھا کہ تم کوئی غیر نہیں ہو' اپنائیت کا احساس تو اسی دن ہوا تھا جب تم بازار میں ملی تھیں۔" صاعقہ ربانی جذباتی ہو گئیں۔ رِمل شاک کی سی کیفیت میں بیٹھی تھی اور اس وقت تصدیق ہو گئی جب صاعقہ ربانی نے اسے آمنہ کی تصاویر دکھائیں۔

"میری آمنہ مر گئی اتنی جلدی...... ایک بار تو آتی...... سب اسے معاف کر دیتے مگر وہ...... بڑی خوددار اور انا پرست تھی۔" صاعقہ اسے سینے سے لگائے آنسو بہا رہی تھیں۔ خالہ بھانجی کے ملاپ کا یہ منظر دیکھ کر ہر آنکھ نم تھی۔

"مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ اتنی کیوٹ سی لڑکی میری کزن ہے۔" مسرت چہکی۔ رِمل کا تو یہ حال تھا کہ لگتا تھا مارے خوشی کے دم نکل جائے گا' اپنوں کے ہونے کا احساس ہی کتنا خوش کن تھا' میکے کا مان ہر لڑکی کا وقار ہوتا ہے۔ وہ خوش تھی کہ اب اس کے پاس بھی یہ مان تھا۔ جانے کتنی ہی دیر صاعقہ اسے ساتھ لگائے باتیں کرتی رہیں۔ رات گئے ان کی واپسی ہوئی۔

اعیان گم صم سا تھا' رِمل بے حد خوش تھی۔ البتہ اعیان سے اس نے بات کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو گھر کی ذمہ داریوں اور موبی کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس روز وہ آفس سے آیا تو رِمل گھر پر نہ تھی۔ اسے جانے کیوں کمی سی محسوس ہوئی۔

"بیگم صاحبہ کہاں ہیں تمہاری؟" رشیدہ سے دریافت کیا۔

"وہ تو جی اپنی خالہ کے ساتھ اپنے نانا کے گھر گئی ہیں۔"

"اچھا۔" وہ اٹھ کر کمرے میں چلا آیا۔ نظر سامنے دیوار پر موجود اس تصویر پر پڑی' جو اس کی شادی کے موقع پر لی گئی تھی۔ وہ غیر ارادی طور پر تصویر پر نظریں جمائے کھڑا رہا۔ پھر وارڈ روب کی طرف آ گیا' وارڈ روب میں رِمل کے کپڑے بھی ٹنگے تھے' اس نے ہاتھ بڑھا کر انہیں دھیرے سے چھوا۔ ہر ہر شے سے اس کے وجود کا احساس ہو رہا تھا' وہ بالکل غیر محسوس طریقے سے اس کی زندگی کا ایک لازم و ملزوم حصہ بن گئی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر میک اپ کی چیزیں پڑی تھیں' پورا کمرہ چیخ چیخ کر گواہی دے رہا تھا کہ وہ اب اس کمرے کا تنہا مالک نہیں ہے' کوئی اور بھی ہے جو بلا اجازت اس کی ہر شے میں شراکت دار بن گیا ہے اور اب شاید دل پر بھی قابض تھا۔ رات نو دس بجے کے قریب رِمل آئی تھی' اعیان کمرے میں ہی تھا جب وہ اندر داخل ہوئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ آج اتنی جلدی گھر پر موجود ہو گا ورنہ روز وہ گیارہ بارہ بجے گھر آتا تھا۔ وہ بستر پر نیم دراز سوچوں میں گم تھا۔ رِمل وارڈ روب سے کپڑے نکال رہی تھی' جب اس نے پکارا۔

"رِمل۔" اس نے پہلی بار اسے نام سے پکارا تھا۔

"جی۔" وہ سپاٹ سے انداز میں بولی۔

"ادھر آؤ۔" اپنے قریب اس کے لیے جگہ بنائی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی بیڈ سے کچھ فاصلے پر رک گئی۔

"بیٹھ جاؤ' تمہیں کھا نہیں جاؤں گا۔"

"آپ کو جو کچھ کہنا ہے' جلدی کہیے' مجھے بہت ضروری کام کرنا ہے۔" لہجے میں برف کی سی سردی تھی۔

"مجھ سے زیادہ ضروری بھی تمہارے لیے کچھ ہو سکتا ہے؟"

"آپ سے زیادہ ضروری؟ ہاہا......" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ "آپ کا شمار تو کہیں بھی نہیں ہوتا' میری ترجیحات کچھ اور ہو گئی ہیں۔"

"ہو گئی ہیں کا مطلب ہے کہ پہلے میں تمہاری ترجیحات میں شامل تھا۔" اس نے اس کے الفاظ پکڑ لیے تھے' وہ لب کاٹنے لگی' وہ اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

"کیا کہوں اور کیسے کہوں؟ کہنے کو بہت کچھ ہے مگر الفاظ ساتھ نہیں دیتے۔"

"آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت ہے' نہ مجھے کچھ سننے کی تمنا۔ ویسے بھی مجھ جیسی عورت کے سامنے صفائیاں پیش کرنا آپ کے معیار کے خلاف ہے۔"

"اوں' تم تو بہت زیادہ ناراض ہو۔" وہ سر کھجانے لگا۔

"میں بھلا ناراض ہونے والی کون ہوں؟" وہ زخم خوردہ انداز میں ہنسی۔

"اچھا بابا' معاف کر دو۔ معافی تو مانگ رہا ہوں' اب اور کیا کروں۔ دیکھو' مجھے منانا وناتا نہیں آتا۔ بس تم مان جاؤ اب۔" وہ منا بھی یوں رہا تھا جیسے اس کی دس نسلوں پر احسان کر رہا ہو۔ رِمل حیرت سے گنگ کھڑی اس اکھڑ اور بد دماغ شخص کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو تو میرے کردار پر شک......"

"پلیز۔ اب مجھے اور شرمندہ نہ کرو' مجھے پاپا نے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"میری کہانی پر یقین کیسے آ گیا آپ کو؟ کہیں آپ......" وہ طنز کر رہی تھی۔ اعیان زچ ہو گیا مگر خود پر ضبط کیے کھڑا رہا۔

"مجھے تمہاری ہر بات پر یقین ہے۔" وہ اسے شانوں سے تھام کر مقابل کرتے ہوئے بولا۔

"کتنا؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"جتنا مجھے خدا کی خدائی پر ہے' جتنا مجھے موت پر یقین ہے' جتنا خود پر ہے' جتنا......"

"بس۔ اتنا ہی بہت ہے۔" مرمریں ہاتھ اس کے لبوں پر رکھا۔

"کہو تو کسی اور طریقے سے یقین دلاؤں۔" لبوں پر رکھا اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے شرارت سے گویا ہوا۔ اس کی بات کا مفہوم جان کر وہ گلنار ہو گئی۔

"تم بہت اچھی ہو رِمل۔" استحقاق سے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

"یہ آپ کو آج پتا چلا ہے۔" وہ مسکرائی۔

"نہیں' بہت پہلے پتا چل گیا تھا۔" انداز میں شوخی پنہاں تھی۔

"اسی لیے اتنا ستاتے تھے؟" وہ ٹھنک کر بولی۔

"تمہیں ستانے میں مزہ آتا تھا۔" وہ مسکرایا۔

"بہت بُرے ہیں آپ۔" وہ اس کے حصار سے نکلنے کے لیے مچلی۔

"میں اس سے بھی زیادہ بُرا ہوں۔ آزمائش شرط ہے۔" گرفت کچھ اور مضبوط ہو گئی' اسی لمحے دروازہ کھول کر مائب آ گیا۔ اعیان منہ بناتے ہوئے بیٹھ گیا۔ رِمل محظوظ کن انداز میں مسکرا دی۔

"آنٹی! مجھے کہانی سنائیں ناں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر باہر جانے لگا۔

"اچھا رقیب ڈھونڈا ہے تم نے۔" اعیان کی سرگوشی میں پنہاں وارفتگی رِمل کو سرشار کر گئی۔ بھرپور انداز میں مسکراتی وہ موبی کا ہاتھ تھام کر باہر نکل گئی۔

ملیں گی ہم کو بھی اپنے نصیب کی خوشیاں

بس منتظر ہیں کہ کب یہ کمال ہوتا ہے

اور وہ اپنے رب کی شکر گزار تھی کہ بالآخر یہ کمال ہو ہی گیا تھا۔